قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار طلوعِ اسلام کراچی

جلد نمبر ۸
شمارہ نمبر ۱

ہفتہ ۵ فروری ۱۹۵۵ء

قیمت چار آنہ
سالانہ دس روپے

فہرست مضامین

لمعات ۳
کوائف پاکستان ۵
عالم اسلامی ۶
تاریخی شواهد ۷
اسلام کی سرگزشت ۸
مجلس اقبال ۹
باب المراسلات ۱۰
واضعین آئین پاکستان کے نام ۱۱
بین الاقوامی جائزہ ۱۵
حقائق و عبر ۱۷
نقد و نظر ۱۸

قرآن نے کیا کہا

کفر اور اسلام کی نزاع بہت پرانی ھے لیکن اس کے باوجود بہت کم لوگوں کو معلوم ھے کہ مسلمان کسے کہتے ھیں اور کافر کون ہوتے ھیں۔

ملّا کی شریعت میں مسلمان اسے کہتے ھیں جو اس قسم کے عقائد رکھے جس قسم کے عقائد اُس فرقے کے ھیں جس سے وہ ملا خود متعلق ھے۔ یہی وجہ ھے کہ جب فسادات پنجاب کی تحقیقاتی کمیٹی نے مختلف "علماء" سے یہ سوال پوچھا کہ مسلمان کسے کہتے ھیں تو کسی کا جواب دوسرے سے نہیں ملتا تھا۔

صوفی کی طریقت میں رام اور رحیم میں فرق ھی کوئی نہیں۔ جو ایشور کا بھگت ھے اور اسکی پوجا کرتا ھے۔ یا جو خدا کا پرستار ھے اور اسکی پرستش کرتا ھے۔ جو رام کا نام جپتا ھے یا اللہ کا ذکر کرتا ھے۔ یہ سب سچے راستے پر ھیں۔ کیونکہ ھر راستہ اُسی کی طرف جاتا ھے۔

یہی صورت دور حاضرہ کے "برھمو سماجی مسلمانوں" کی ھے۔ انکے نزدیک "عالمگیر سچائیاں ھر مذھب میں یکساں طور پر پائی جاتی ھیں"۔ اور جب ھر مذھب کے پیرو اپنے اپنے مذھب پر کاربند ہو جائیں تو وہ اسلام پر کاربند ہو جاتے ھیں۔

لیکن قرآن کہتا ھے کہ یہ تمام تصورات غلط ھیں۔ زندگی کا نظام تمام نوع انسانی کے لئے ایک ھی ہوسکتا ھے۔ اور یہ نظام قرآن کے اندر ھے۔ لہذا من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون (۵/۴۴) جو شخص یا جس قوم کے لوگ زندگی کے معاملات کے فیصلے ما انزل اللہ (قرآن) کے مطابق نہیں کرتے وھی کافر ھیں۔ کفر اور اسلام (کافر و مسلم) کا یہ معیار خود خدا کا بتایا ہوا ہے جس میں نہ شک و شبہ ہوسکتا ہے نہ تغیر و تبدل۔ اسی کے مطابق سمجھ لینا چاھیئے کہ اسلامی مملکت کسے کہتے ھیں۔

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسی قدر قرانی فکر عام ہوگی اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا۔ اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ہے۔ یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا پچیس روپے کی ماہانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تاآنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ہوجائے۔ اس طرح - - -

- آپ کی پیشگی رقم سے ہمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی۔ اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی۔ اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم [illegible] ہوئے تو اب شامل ہوجائیے۔

Parwez Memorial (Research Scholars) Library
Acc. No. 898
LAHORE

رابطۂ باہمی

طلوع اسلام کے قارئین مختلف مقامات میں بکھرے پڑے ہیں۔ ان میں باہمی رابطہ کے لئے ضروری ہے کہ ہر شہر میں ایک "بزم طلوع اسلام" قائم کی جائے۔ اراکین بزم باہمی مشوروں سے یہ سوچیں کہ اس قرانی فکر کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کے لئے کیا طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔ اس کے بعد آپ اپنی تجاویز سے ہمیں مطلع کریں جنہیں (حسب ضرورت) طلوع اسلام میں شائع کیا جائیگا۔ واضح رہے کہ بزم کسی قسم کی الگ پارٹی نہیں ہوگی نہ ہی اس کی طرف سے کوئی لٹریچر (بلا اجازت طلوع اسلام) شائع کیا جائیگا۔ یہ صرف قرانی فکر سے ہم آہنگی رکھنے والوں کے مشاورتی اجتماعات کا ذریعہ ہوگی۔ ہر بزم کا ایک ترجمان ہوگا جس کی وساطت سے بزم مدیر طلوع اسلام سے خط و کتابت کریگی۔

معاملہ کی ضروری باتیں

- ★ طلوع اسلام آپ کا اپنا ادارہ ہے اس لئے اس سے اسی طرح کا برتاؤ کیجئے جس طرح اپنوں سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہ بھی آپ سے ایسا ہی برتاؤ کریگا۔
- ★ حساب میں بعض اوقات غلطی ہوسکتی ہے۔ ایسی غلطی باہمی افہام و تفہیم سے صاف کرلیجیے۔
- ★ رسالہ کے انتظامی معاملات کے متعلق الگ خط لکھئے۔ کتابوں کے لئے الگ۔
- ★ مضامین کے متعلق مدیر کے نام علحدہ خط لکھئے۔ نیز استفسارات مدیر کے نام الگ بھیجئے۔
- ★ پتہ کی تبدیلی سے کم از کم دو ہفتہ پہلے اطلاع دیجئے۔
- ★ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع تاریخ اشاعت کے ایک ہفتہ کے اندر دیجئے۔ بعد میں رسالہ قیمتاً بھیجا جائیگا۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳۔ کراچی ۔ ۳

ہفتہ وار
طلوعِ اسلام
جلد (۸) ۵ رفروری ۱۹۵۵ء نمبر (۱)

طلوعِ اسلام

خاکِ ما خیزد کہ سازد آسمانے دیگرے
ذرّۂ ناچیز و تعمیرِ بیابانے نگر!

مسلمان طبعاً بڑا جذباتی واقع ہوا ہے سیمابیت اس کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ مشتعل مزاجی گویا اکی فطرت میں داخل ہے۔ اگر کہیں خارجی اسباب ایک وقت کے لئے اس کے شعلۂ جوّالہ کو آتشِ خاموش میں تبدیل بھی کر دیا تو بھی اس کی کیفیت یہ رہتی ہے کہ ذرا سی ہوا دینے سے اس کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سے بھڑک اٹھتی ہیں۔ اس کے بربطِ ہستی کے بظاہر خاموش تاروں کو جذبات کے مضراب سے ذرا چھیڑ کر دیکھئے، پوشیدہ نغمے کن مینا ہیوں سے نکلتے اور فضا کو مرتعش کرتے چلے جاتے ہیں۔ برصغیر ہند میں، گوسالہ پرست سامریوں کی نگہ باریک بیں نے اس کی اس سیمابیت کو بھانپا اور اس سے فائدہ اٹھانے کی تدبیر سوچی۔ ہندوؤں نے، ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے جو "تحریک آزادی" جاری کر رکھی تھی مسلمان کو مذہب کے نام پر اس میں اُلجھایا گیا۔ یہ اس میں اُلجھا اور اُلجھتے ہی بگولے کی طرح اُٹھ کھڑا ہوا اور ہندوستان کے طول و عرض میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ ۱۹۱۸-۱۹ء سے ۱۹۳۰ء تک اس کی یہی کیفیت رہی بظاہر نظر آتا تھا کہ یہ ایک بلند مقصد کی خاطر طوفانوں کے طمانچے کھا رہا ہے لیکن دیکھنے والی آنکھیں دیکھتی تھیں کہ یہ درحقیقت ایک حرکت تھی بلا مقصد۔ ایک سفر تھا بلا تعین منزل۔ نہ اس کے سامنے کوئی نصب العین تھا اور نہ ہی اس کا علم کہ یہ جوش و خروش اور یہ وجد و رقص بالآخر ہے کس مطلب کے لئے؟ اس محشرستانِ تشتت و انتشار میں اللہ کا ایک بندہ اٹھا جسے مبداء فیض کی کرم گستری نے دانشِ برہانی کے ساتھ بصیرتِ قرآنی سے بھی نوازا تھا۔ اس نے حالات کا بغائر مطالعہ کیا اور (۱۹۳۰ء میں) الٰہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے خطبۂ صدارت میں مسلمانوں کے سامنے ایک واضح نصب العین رکھ دیا جسے (بعد میں) تصورِ پاکستان کے نام سے پکارا گیا۔ ایک عرصہ تک مسلمان اپنے سابقہ جوش و خروش میں منہمک رہا اور اس نے اس تصور پر کان نہ دھرا تا آنکہ ۱۹۳۶ء میں اس مردِ قلندر کی دوربین نگاہوں نے ایک ایسے وکیل کو بھانپ لیا جس کی فراست و دیانت پر پورا پورا بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ اس نے حصولِ پاکستان کا فریضہ اس رہبرِ فرزانہ کے سپرد کر دیا۔

قائدِ اعظم مرحوم میں یہ صلاحیت موجود تھی کہ وہ اس مخالفت کے طوفان کا تنہا مقابلہ کر لیتے جو ہندو اور انگریز کی طرف سے اس مقصد کے حصول میں ہوئی تھی لیکن "علماء" کا وہ گروہ جس نے مذہب کے نام پر اس کی مخالفت میں اُٹھنا تھا، ان کی روک تھام کے لئے انہیں مدد کی ضرورت تھی۔ یہ "قرعۂ فال" طلوعِ اسلام کے نام پڑا۔ ان "علماء" کی جماعت میں ایک تو نیشنلسٹ گروہ تھا جو متحدہ قومیت کا حامی اور پاکستان کا مخالف تھا۔ انکی مخالفت ایک ایسے دشمن کی طرح تھی جو ہاتھ میں کھلا خنجر لے کر سامنے آئے۔ لیکن دوسرا گروہ جماعت اسلامی والوں کا تھا جو ایک طرف متحدہ قومیت کے بھی مخالف تھے اور دوسری طرف تحریکِ پاکستان کے بھی دشمن۔ ان کی مخالفت (غالب کے الفاظ میں) "آستیں میں دشنہ پنہاں" کی سی مخالفت تھی جو پہلے گروہ سے بھی زیادہ خطرناک تھی۔

طلوعِ اسلام نے جس پامردی اور جگرداری سے ان کھلے اور نقاب پوش دشمنوں کا مقابلہ کیا اس کے فائل اس کی زندہ شہادت ہیں۔ للہ الحمد کہ وہ جانگسل اور زہرہ گداز مرحلہ بھی بحسن و خوبی طے ہوا اور ان تمام مخالفتوں کے علی الرغم پاکستان وجود میں آگیا۔

تشکیلِ پاکستان کے بعد ہماری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا اور اس دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر طلوعِ اسلام کا بھی نیا دور (۱۹۴۸ء سے) شروع ہوا۔ پاکستان ایک خطۂ زمین ہے جس میں ہمیں یہ اختیار حاصل ہے کہ ہم جس طرح کا معاشرہ جی چاہے متشکل کر لیں طلوعِ اسلام کی تحریکِ پاکستان سے دلچسپی صرف اس بناء پر تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ ہمیں ایک ایسا خطۂ زمین حاصل ہو جائے جس میں ہم اس معاشرہ کو قائم کر سکیں جسے قرآن نے ملتِ اسلامیہ کے لئے تجویز کیا ہے اور جو پہلی بار محمد رسول اللہ والذین معہ کے مبارک ہاتھوں سرزمینِ عرب میں متشکل ہوا تھا۔ اس خطۂ زمین کے حصول کے بعد طلوعِ اسلام کے ذمے یہ فریضہ عائد ہوا کہ وہ بتائے کہ اس قرآنی معاشرہ کے خط و خال کیا ہیں اور وہ کس طرح وجود میں آسکے گا۔ طلوعِ اسلام کی ہفت سالہ جدّ و جہد

اس مقصد کے حصول کی آئینہ دار ہے۔ یہ مقصد ایسا تھا جس سے نہ کسی کو اختلاف ہونا چاہئے تھا نہ پرخاش۔ لیکن ہماری بدبختی کہ "علمائے کرام" کا وہی گروہ جو پہلے حصولِ پاکستان کی مخالفت کرتا تھا، یہاں پہنچ کر قرآنی معاشرے کے قیام کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔ تحریکِ پاکستان میں انہیں یہ صدمہ تھا کہ ان کی قیادت و امامت، محمد علی جناح نے چھین لی اور اب انہیں خطرہ ہے کہ اگر یہاں قرآنی معاشرہ قائم ہو گیا تو ان کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر یہاں ان کی مرضی کے مطابق "نظامِ شریعت" قائم ہو گیا تو پھر عملاً اقتدار کی کرسیاں انہی کے قبضے میں رہیں گی۔ اربابِ مذہب کے علاوہ، اربابِ اقتدار کی بھی یہی خواہش ہے کہ یہاں قرآنی معاشرہ نہ بننے پائے اس لئے کہ اس سے ان کی تمام مفاد پرستیاں خواب پریشاں بن کر رہ جاتی ہیں۔ قرآن جس طرح مذہبی پیشوائیت کا دشمن ہے اسی طرح انسانی استبداد اور سرمایہ پرستی کو بھی جڑ سے اکھاڑتا ہے۔

یہ ہے وہ چومکھیا لڑائی جو طلوع اسلام کو یہاں لڑنی پڑ رہی ہے۔ مُلّا کے پاس نہ علم ہوتا ہے نہ بصیرت۔ نہ دلائل ہوتے ہیں نہ براہین۔ لیکن اس کے پاس ایک ایسا خطرناک حربہ ہوتا ہے جس کا جواب فریقِ مقابل کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ یہ حربہ ہوتا ہے کفر کا فتویٰ" یا لیبل۔ وہ دلیل کے بجائے ایک لیبل تراشتا ہے اور فریقِ مقابل پر چسپاں کر دیتا ہے، اور اس سے عوام کے جذبات مشتعل کر دیتا ہے۔ یہی حربہ اس نے طلوع اسلام کے خلاف استعمال کیا۔ ہندوستان میں اس نے مشہور کر رکھا تھا کہ یہ "گورنمنٹ کا پرچہ" ہے۔ یہاں پہنچ کر اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ "منکرِ حدیث" ہے۔ جس قسم کا کذب وہ تھا اسی قسم کا افترا یہ ہے۔ اس قسم کے حربے وقتی طور پر تو کارگر ہو جاتے ہیں لیکن جھوٹ کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کا یہ افترا طلوع اسلام کی آواز کو دبا نہیں سکا۔ اس کے برعکس، اس کا حلقۂ اثر دن بدن وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ یہ قرآن کا پیامبر اور اس کے عطا کردہ عالمگیر نظامِ ربوبیت کا علمبردار ہے۔ اسی وسیع حلقے کا تقاضا تھا جس کے پیشِ نظر طلوع اسلام، ماہنامہ سے ہفتہ وار شائع ہو رہا ہے جس کا پہلا پرچہ آپ کے پیشِ نظر ہے۔

طلوع اسلام نہ کسی مذہبی فرقہ کا مؤید ہے نہ کوئی نیا فرقہ بنانا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن کی رو سے فرقہ بندی شرک ہے۔ نہ ہی طلوع اسلام کسی سیاسی پارٹی کا حامی یا نقیب ہے۔ اس لئے کہ قرآن کی رو سے، ملتِ اسلامیہ کا پارٹیوں میں بٹ جانا خدا کا عذاب ہے۔ طلوع اسلام کسی مفاد پرست گروہ یا جماعت کا بھی مؤید نہیں اس لئے کہ انفرادی مفاد پرستی کا تصور ہی غیر قرآنی ہے۔ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے اس میں شبہ نہیں کہ مملکتِ پاکستان کا تحفظ اور استحکام طلوع اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ہے لیکن حکومت کی طرف سے (یا کسی اور کی طرف سے) جو فیصلے ایسے ہوں جن کی تائید قرآن سے ہوتی ہو، یہ اُن کی حمایت کرتا ہے اور جو قدم قرآن کے خلاف اُٹھے، اس کی مخالفت اس کا اولین فریضہ ہے۔ غرضیکہ طلوع اسلام، قرآن کا علمبردار اور قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر ہے۔ یہی اس کی زندگی کا نصب العین! اور یہی اس کی ہستی کے جواز کی دلیل ہے۔ ہماری آپ سے یہ استدعا ہے کہ جب تک آپ دیکھیں کہ یہ قرآنی فکر کی اشاعت کرتا ہے، آپ اس کا ساتھ دیں۔ اور اگر کہیں دیکھیں کہ اس کا قدم (خدانخواستہ) اس جادۂ استوار سے ڈگمگا رہا ہے، تو اسے فوراً متنبہ کر دیں۔

ان بلند مقاصد کو اپنے سامنے رکھتے اور ان حسین تمناؤں کو اپنے دل میں لئے، طلوع اسلام اپنی زندگی کے اس نئے دور میں داخل ہو رہا ہے۔ قدم اس راہ پر ہیں اور نگاہیں اس کے آستانہ پر جس کے قانونِ ابدی کی ہم آہنگی سے حال اور مستقبل کی درخشندگیاں اور تابناکیاں اور داخلی اور خارجی دنیا کی سربلندیاں اور سرفرازیاں نصیب ہوتی ہیں۔ اس قانون سے ہم آہنگ رہنے کی آرزو ہماری زندگی کا مدعا ہے اور اس مدعا کے حصول کے لئے یہ تمام سعی و کاوش۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

اقبال اکیڈمی کی اپیل

حال ہی میں اقبال اکیڈمی کراچی نے شیدائیانِ اقبال سے تعمیرِ عمارت کے لئے تین ماہ کے اندر چار لاکھ روپے فراہم کرنے کی اپیل کی ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ حکومت نے اس سلسلہ میں ایک لاکھ روپے کا عطیہ دے دیا ہے، تین ماہ کی شرط سے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ اکیڈمی بڑی سرگرمی سے کام کر رہی ہے اور کم سے کم وقت میں اپنے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گی۔ لیکن صورت یہ ہے کہ ۲۸ فروری ۱۹۴۸ء کو پاکستان کے پہلے بجٹ میں یہ اعلان ہوا تھا کہ ۱۹۴۸ء کے بجٹ میں ایک لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے تاکہ علامہ اقبال کے نام سے منسوب ایک اکیڈمی قائم کی جائے۔ اس اعلان کی رو سے اقبال اکیڈمی کراچی معرضِ وجود میں آئی اور اس اعلان کے سات برس یا کم سات سال کے بعد اس کی طرف سے یہ اپیل شائع ہوئی کہ اسے تعمیرِ عمارت کے لئے چار لاکھ روپے کی ضرورت ہے جسے تین ماہ کے اندر اندر فراہم ہو جانا چاہیئے۔ اس اپیل کے علاوہ اور کونسا کارنامہ اس اکیڈمی کے دفترِ اعمال میں ہے اس کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا۔ خود اکیڈمی نے مذکورہ اپیل میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ اقبال سے متعلق ریسرچ اور تراجم کا کام شروع ہو چکا ہے۔ اگر اکیڈمی نے واقعی کچھ کام کیا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ کیا ہے، اور اگر اب تک کچھ نہیں کیا تو اب کس بنا پر اس سے توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں؟

سیاسی پارٹیوں کا وجود

وزیر مواصلات، ڈاکٹر خاں صاحب، جب پچھلے دنوں ڈھاکہ تشریف لے گئے تو ہوائی اڈے پر اخباری نمائندوں کے سوالات کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ پاکستان کی موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر چھوٹے بڑے پیمانے پر سیاسی جماعتوں کا کوئی مطلب نہیں۔ ملک ایسے نازک دور سے گزر رہا ہے کہ اس میں سیاسی پارٹیاں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ لہٰذا "اب تمام پارٹی بازی چھوڑ کر سب کو مشترک طور پر ملک کی تعمیر کرنی چاہیئے"۔

طلوع اسلام نے سب سے پہلے ۱۹۴۸ء میں یہ تصور پیش کیا تھا کہ ملت فی ذاتہٖ ایک پارٹی ہے اور اس میں مزید پارٹیوں کی گنجائش نہیں۔ اس کے بعد حقائق و شواہد سے ثابت کیا جاتا رہا کہ مغربی جمہوریت کی پیدا کردہ احزاب سیاسی، ملت کو افتراق کے عذاب میں مبتلا کرنے کا ایک ذریعہ ہیں اور جس قدر جلد ان کو ختم کر دیا جائے ملت اسی قدر جلدی سے متحد و مستحکم ہو جائے گی۔ طلوع اسلام کے مخلصانہ مشورے اور اس کے دلائل پر اربابِ سیاست و حکومت نے کان تو نہیں دھرا لیکن ان کی تخفیف حالات و کوائف خود ثابت کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر خان صاحب نے جس پارٹی بازی کو ہنگامی حالات میں مذموم قرار دیا ہے وہ معمولی حالات میں بھی ایسی ہی مردود و مطرود ہے۔ بہرحال ہمیں خوشی ہوگی کہ کم از کم غیرمعمولی حالات میں ہی یہ تجربہ آزما کے دیکھ لیا جائے۔ پھر نتائج اپنی شہادت خود بن جائیں گے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ — جیسا کہ قرآن نے کہا ہے — ہر سیاسی پارٹی یہ کہتی ہے کہ میں تو ملک و ملت کی بہی خواہی کے لئے ہوں اور باقی پارٹیاں تخریب کے لئے ہیں۔ اس لئے مجھے تو "خدائی پروانہ" ملے رہنا چاہیئے اور باقی پارٹیوں کو ختم کر دینا چاہیئے۔ اس ذہنیت کے ماتحت پارٹیوں کا وجود کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اس کا علاج وہی ہے جو قرآن نے بتایا ہے۔ یعنی پوری کی پوری ملت اُمّتِ واحدہ ہو اور اس کے اندر کسی پارٹی کا وجود باقی نہ رہے۔ جب تک پاکستان کے اربابِ حل و عقد کی سمجھ میں خدا کا یہ اشارہ آ گیا اس دن ملت کا انتشار ختم ہوگا۔ ورنہ جب تک یہ مغرب کی میکاولی سیاست کی تقلید میں یہ کہتے رہے کہ جمہوریت کے لئے مختلف پارٹیوں کا وجود ضروری ہے اس وقت تک انتشار ہی انتشار رہے گا۔

کوائفِ پاکستان

گورنر جنرل مسٹر غلام محمد نے پنڈت نہرو کی سالگرہ پر باہمی تنازعات کے حل کرنے کی جو ذاتی اور مخلصانہ اپیل کی تھی، اس سے دونوں ممالک کے مابین پھر سے مراسلت کا آغاز ہوگیا تھا اور وزرائے اعظم کی ملاقات کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔ گو اس دوران میں مسٹر محمد علی اور پنڈت نہرو انڈونیشیا میں (کولمبو ممالک کی کانفرنس کے سلسلہ میں) دسمبر کے آخر میں مل چکے ہیں تاہم بذریعہ مراسلت طے یہ ہو رہا تھا کہ وہ باقاعدہ طور پر مارچ کے تیسرے ہفتے میں رسمی ملاقات کریں۔ یہ انتظامات ہو رہے تھے کہ یہ ڈرامائی اعلان ہوا کہ گورنر جنرل صدر جمہوریہ ہند کی دعوت پر یوم جمہوریہ کی تقریب میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر حیرت انگیز بھی تھی اور مسرت افزا بھی۔ نہ صرف یہ پہلا موقع تھا کہ پاکستان کا رئیس مملکت سرکاری طور پر ہندوستان جا رہا تھا بلکہ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی ملک کے رئیس مملکت کو یوم جمہوریہ کی تقریب پر باقاعدہ طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ گورنر جنرل ناسازیٔ طبع کے باوجود — اور جیسا کہ بعد میں اعلان ہوا، ڈاکٹروں کے مشورہ کے علی الرغم — اس سفر پر آمادہ ہوگئے۔

دہلی تشریف لیجانے سے ایک دن پیشتر گورنر جنرل نے ایک بیان میں اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ دونوں ممالک کے اختلافات و نزاعات کو حل کرنے کی امکانی سعی کریں گے۔ وہ ۲۵ر جنوری کی صبح کو ہندوستان تشریف لے گئے۔ ان کے ساتھ ڈاکٹر خاں صاحب اور جنرل اسکندر مرزا تھے۔ بعد میں چودھری محمد علی صاحب بھی دہلی پہنچ گئے۔ ان تینوں وزراء کی موجودگی سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں ممالک کے تعلقات کے تمام پہلو زیر بحث لانے مقصود تھے۔ بہرحال دہلی پہنچ کر راشٹرپتی بھون میں دعوت پر گورنر جنرل نے جس جرأت اور خلوص سے قائدین ہند کو دعوتِ مفاہمت دی وہ ناقابل فراموش ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مفاہمت کے لئے بہترین موقع آگیا ہے۔ اب وقت ہے کہ یہ ثابت کر دکھایا جائے کہ پاکستان اور ہندوستان کے تنازعات باہمی طور پر فی الفور نپٹائے جا سکتے ہیں: "اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہمارے لوگ ہماری بددیانتی اور فقدانِ قیادت پر ہنسیں گے"۔ یہ الفاظ راشٹرپتی بھون ہی میں نہیں، ہندوستان بھر کی فضاؤں میں گونجتے رہیں گے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان کے قائدین کی طرف سے ان کی صدائے بازگشت بلند ہوتی ہے یا نہیں۔ پاکستان اس سے بڑھ کر اپنی مفاہمت پسندی کا ثبوت نہیں دے سکتا تھا۔ صدر جمہوریہ ہند نے اپنی تقریر میں گورنر جنرل کو یقین دلایا کہ ان کی حکومت پاکستان سے پوری طرح تعاون کے لئے تیار ہے اور جملہ نزاعات کو مذاکرات باہمی سے طے کرنے کی خواہشمند ہے۔ پنڈت نہرو نے بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ خیالات قابل قدر ہیں لیکن انہیں عنقریب عمل کی میزان میں تولا جائے گا۔ اگر ہندوستان نے عملاً مفاہمت پسندی کا ثبوت دیا تو متنازعہ فیہ امور کا حل ہو جانا چنداں مشکل نہیں ہوگا۔

چہار روزہ قیام دہلی میں گورنر جنرل نے پنڈت نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی ملاقاتیں کیں۔ اخباری اطلاعات سے پایا جاتا ہے کہ ان ملاقاتوں میں جملہ تنازعات زیر بحث آئے حتیٰ کہ کشمیر کا معاملہ بھی سامنے آیا۔ گورنر جنرل دہلی سے بامید واپس آگئے ہیں۔ انہوں نے کراچی میں فرمایا ہے کہ مفاہمت کے لئے فضا اب پہلے سے زیادہ سازگار ہے۔ انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ صدر جمہوریہ ان کی دعوت پر کراچی آئیں گے۔ گو ان کے آنے کی تاریخ مقرر نہیں ہوئی لیکن انہوں نے دعوت قبول کر لی ہے۔

مسئلہ کشمیر

انڈونیشیا میں ملاقات کرنے کے بعد مسٹر محمد علی اور پنڈت نہرو اب لندن میں مل گئے جہاں دولت مشترکہ کی وزرائے اعظم کی کانفرنس کے سلسلہ میں ان دنوں موجود ہیں۔ یہ ملاقات غیر رسمی تھی۔ مارچ میں ہونے والی ملاقات کا پیش خیمہ ہوگی۔ دولت مشترکہ کی کانفرنس کے سلسلہ میں یہ سوال خصوصیت سے سامنے آیا ہے کہ کیا کشمیر کا مسئلہ زیر غور آسکے گا یا نہیں؟ وزیر اعظم مسٹر محمد علی نے کشمیر کو دولت مشترکہ کا خاندانی مسئلہ قرار دیتے ہوئے ارکان دولت مشترکہ سے اپیل کی ہے کہ وہ اسے حل کریں۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر دولت مشترکہ نے اسے حل نہ کیا تو پاکستان اس مسئلہ کو پھر سے اقوام متحدہ میں لے جائے گا۔ اس موقع پر اس انداز سے کشمیر کا تذکرہ چھیڑنا بالکل بے محل ہے۔ یہ کہنا کہ دولت مشترکہ ارکان کے مابین اختلافات کو دور کرنے میں مدد دے، نیک خیال ہے لیکن دولت مشترکہ کی اب تک حکمت عملی یہی رہی ہے کہ وہ اپنے تنازعات میں مداخلت کو روا نہیں رکھتی چنانچہ کسی ایسے تنازعے کو آج تک حل نہیں کیا گیا۔ دوسرے دولت مشترکہ کے پاس کوئی ایسی مشینری نہیں ہے جس سے وہ ایسے تنازعات میں دخل اندازی کر سکے۔ جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے، تجربہ شاہد ہے کہ باوجود کوشش اور اصرار اس مسئلہ کو کسی کانفرنس میں باقاعدہ طور پر زیر بحث نہیں لایا گیا۔ لہٰذا اس موقع پر کشمیر کو دولت مشترکہ کا خاندانی مسئلہ قرار دینا چنداں مستحسن نہیں سمجھا جا سکتا۔

جنوری کے دوسرے ہفتے میں پشاور خصوصی دلچسپی کا باعث بنا رہا۔ اس دلچسپی کی ایک وجہ مغربی پاکستان کونسل کا اجلاس تھا۔ اس اجلاس میں جہاں وحدتِ مغرب سے متعلق دیگر امور پر غور کیا گیا وہاں مغربی پاکستان کے مرکز کا سوال بھی زیر بحث آیا۔ اس مقصد کے لئے ایک ذیلی کمیٹی مقرر کی گئی جس نے ضلع ہزارہ میں جا کر اس جگہ کا معائنہ کیا جو ممکن مراکز میں سے ایک ہے۔ مرکز کے انتخاب کے متعلق ابھی تک کوئی تصفیہ نہیں ہوا۔ کم از کم ابھی تک اس کا اعلان نہیں کیا گیا۔ یہ مسئلہ بڑا اہم ہے اور اس کا خاطر خواہ حل آسان نہیں۔ کسی نئی جگہ مرکز بنانے میں جو فوائد مستقبل بعید میں مرتب ہو سکتے ہیں وہ پرانی جگہوں میں ممکن نظر نہیں آتے۔ لیکن کسی نئی جگہ پر مرکز کا قیام جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ بعض اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ لاہور کو سرمائی مرکز بنایا جائے گا اور گرمائی مرکز ایبٹ آباد میں ہوگا۔

احزابِ سیاسی

پشاور میں دلچسپی کی دوسری اہم وجہ مسلم لیگ نے مہیا کی۔ وہاں پنجاب کے وزیر اعلیٰ ملک فیروز خاں نون کی صدارت میں مغربی پاکستان کی صوبائی مسلم لیگوں کی مجالس عاملہ کا مشترکہ اجلاس بدیں غرض منعقد ہوا کہ مغرب میں مسلم لیگ کی تنظیم ایک یونٹ کے مطابق کی جائے۔ اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان مجالس کے مشترکہ اجلاس ہوتے رہیں گے تاآنکہ ان کو توڑ کر ایک مجلس بنا دیا جائے۔ اس کے لئے ارکان سازی کی مہم شروع کی جائے گی اور اس طرح جو کونسلیں منتخب ہو کر آئیں گی وہ حتمی فیصلے کریں گی۔ اس میں ایک اہم تجویز یہ بھی پاس ہوئی کہ مغربی پاکستان مسلم لیگ کا صدر کسی قسم کے سرکاری عہدے کا امیدوار نہیں بن سکتا حتیٰ کہ وہ کسی اسمبلی کا رکن بھی نہیں بن سکتا۔ یہ پابندی عہدۂ صدارت چھوڑنے کے دو سال بعد تک رہے گی۔ بعد میں ملک فیروز خاں نون نے بتایا کہ یہ فیصلہ آخری نہیں بلکہ تصدیق طلب ہے۔ جہاں تک پارٹی کی تنظیم کا تعلق ہے اجلاس پشاور کی تقاریر سے یہ حسن ظن قائم کرنا مشکل ہے کہ مسلم لیگ ایسی قیادت پیش کر سکے گی جو سے ایک خیالی اور ہر دلعزیز جماعت بنا سکے ۔۔ سابقہ تبصروں میں واضح کیا جاتا رہا ہے، سیاسی پارٹیوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ملک بحران میں سے گزر رہا ہے۔ مسلم لیگ، سیاسی دیرینہ جماعت مردہ ہو چکی ہے۔ عوامی لیگ ابھی تک منظم نہیں ہو سکی۔ مشرقی پاکستان میں جو نام نہاد متحدہ محاذ قائم ہوا تھا وہ اپنی موت مر چکا ہے۔ محض یہی نہیں کہ سیاسی جماعتوں کی تنظیم نہ ہونے کے برابر ہے بلکہ ان کا احیاء بھی ممکن نظر نہیں آتا۔ گویا ملک اس انقلابی تجربے کے لئے تیار ہے کہ پوری ملت کو ایک پارٹی تصور کیا جائے اور اسے پارٹی بازی کی لعنت سے، عام اس سے کہ وہ جمہوریت کے دل فریب پردے ہی میں کیوں نہ ہو، بچایا جائے۔ ڈاکٹر خاں صاحب نے حال میں بجا طور پر اعتراف کیا ہے کہ موجودہ حالات میں پارٹی بازی مہمل ہے اور اس سے بلند ہو کر ملک کو متحد و مستحکم کرنا چاہیئے۔

مغربی پاکستان کونسل کے اجلاس سے فارغ ہو کر صدر کونسل مسٹر مشتاق احمد گورمانی نے صوبہ سرحد کے سرکاری عمال سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان ایک ایسے دور میں داخل ہو رہا ہے جہاں حکومت کا مقصد تحفظ امن ہی نہیں ہوگا بلکہ ایک رفاہی مملکت کی تشکیل ہوگا۔ انہوں نے عمال کو تلقین کی کہ آیندہ وہ خدمت کو اپنا اصول بنائیں۔ نیز انہیں بتایا کہ ان کی اہلیت کا معیار یہ ہوگا کہ وہ عوام کی حالت میں کیا اصلاح پیدا کرتے ہیں۔ پسماندہ عوام کی ترفیع و ترقی پر زور دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ کاروانِ ملی کی رفتارِ عمومی کا اندازہ اس اونٹ کی رفتار سے لگایا جائے گا جو سب سے پیچھے ہے، نہ کہ اس کی رفتار سے جو سب سے آگے ہے۔ اربابِ حکومت کی طرف سے اکثر ایسے اعلانات ہوتے رہتے ہیں اور دعاوی باندھے جاتے ہیں جو شرمندۂ عمل نہیں ہوتے اور جن کا مقصد پروپیگنڈائی ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے بھی اس تقریر کو دیکھا جائے تو بھی اس سے فکر و نظر کی ایسی خوشگوار تبدیلی ظاہر ہوتی ہے جو اس سے پیشتر مفقود تھی۔ اور اگر حکومت رفاہ عامہ کو مطمح الاصول بنا لے تو پھر پاکستان کے مقصد تخلیق کے ایک گوشہ کی تکمیل کے سامان پیدا ہو جائیں گے۔ مغربی پاکستان کی وحدت کے بعد ایسا کرنا ممکن بھی ہو جائے گا اور ضروری بھی۔ خدا کرے کہ اس عملی تبدیلی کا سہرا انہی محترم گورمانی صاحب ہی کے سر بندھ جائے۔

عالمِ اسلامی

عالمِ اسلامی کا سب سے اہم واقعہ ترکی اور عراق کا یہ مشترکہ اعلان ہے کہ وہ مشرقِ وسطیٰ کی مدافعت اور استحکام کے لئے تعاون کریں گے۔ یہ نتیجہ ہے ان مذاکرات کا جو دونوں ممالک کے وزرائے اعظم کے مابین ابھی دنوں ہوئے۔ اب ترکی اور عراق ایک معاہدہ کریں گے جس کی رُو سے وہ حملہ کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کو پہنچیں گے۔ یہ مجوزہ معاہدہ عنقریب طے ہو جائے گا اور دونوں ممالک تک ہی محدود نہیں ہوگا بلکہ اس میں دوسرے ممالک کو شریک کرنے کی بھی گنجائش رکھی جائے گی۔ یہ فیصلہ بوجوہ اہم ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ترکی اور ایک عرب ملک میں اس قسم کا تعاون طے پایا ہے۔ گذشتہ جنگِ عظیم سے لے کر اب تک ترکوں اور عربوں کے تعلقات چنداں خوشگوار نہیں ہو سکے تھے۔ یوں بھی ترکی نے اپنی تمام تر توجہ اپنے استحکام اور مغرب سے اتحاد پر مرکوز رکھی۔ اسے ایسا کرنا بھی چاہیئے تھا کیونکہ روس کے مستقل خطرے سے بچنے کے لئے اس کے سامنے یہی راہِ عمل تھی۔ یہ غنیمت ہے کہ اب ترکی اس قابل ہو گیا ہے کہ دیگر ممالکِ اسلامیہ کی طرف توجہ کر سکے اور انہیں متحد و مستحکم بنا سکے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی وہ معاہدہ ہے جو گذشتہ سال ترکی اور پاکستان کے مابین طے پایا۔ چونکہ ترکی اور پاکستان دونوں امریکہ سے فوجی مدد لے رہے ہیں، اس لئے اس معاہدہ کی بدولت نہ محض دونوں ممالک کے مابین روابط قائم ہو گئے بلکہ دونوں مغربی دفاعی تنظیموں سے بھی منسلک ہو گئے۔ پاک ترکی معاہدہ میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ اس میں دیگر ممالک متعلقہ کو بھی شامل کیا جائے گا۔ لیکن عربوں بالخصوص مصر کی مخالفت کی بدولت اب تک ایسا نہ ہو سکا۔ مصر کی خواہش اور کوشش یہ رہی کہ عرب ممالک کو جو مدد ملے وہ اس کی وساطت سے ملے لیکن اس کے اندرونی حالات ایسے غیر مستحکم اور متزلزل چلے آرہے ہیں کہ وہ سوڈان اور سویز کے قضیوں کے تصفیے کر لینے کے باوجود کوئی قابلِ قدر اقدام نہیں کر سکا۔ چنانچہ مصر کی سیاست منفی حیثیت اختیار کر گئی۔ عربی ممالک میں سے اردن اور عراق ایسے ہیں جن کے برطانیہ سے معاہدے ہیں۔ اس کی بدولت عراق نے ہمت کر کے عربی سیاست میں تعطل کو توڑا۔ اور امریکہ سے فوجی مدد مانگ لی۔ یہ مدد اسے مل رہی ہے۔

عراق شروع سے ہی پاک ترکی معاہدہ کو بہ نظرِ استحسان دیکھتا چلا آرہا تھا۔ بعض اوقات تو بہ وثوق سے کہہ دیا جاتا تھا کہ وہ اس میں شریک ہو جائے گا، رفتہ رفتہ اس نے ترکی سے معاہدہ کر لیا ہے۔ نوعیت کے اعتبار سے اس میں اور پاک ترکی معاہدے میں کوئی فرق نہیں لیکن یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جب پاک ترکی معاہدے میں دوسرے ممالک کے شریک ہونے کی گنجائش تھی تو عراق کو اس میں شریک کرنے کی بجائے ترکی نے اس سے علیحدہ معاہدہ کا فیصلہ کیوں کیا؟ یہ مجوزہ معاہدہ بھی پاک ترکی معاہدہ کی طرح دونوں ممالک متعلقہ تک محدود نہیں رہے گا بلکہ دوسرے ممالک بھی اس میں شریک ہو سکیں گے۔ اب ظاہر ہے کہ دونوں ممالک کی کوشش یہ ہوگی کہ عرب ممالک کو اس معاہدے میں شریک کریں۔ گویا اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ پاک ترکی معاہدہ غیر مؤثر ہو جائے اور آخرکار پاکستان کو ترکی عراقی معاہدے میں شریک ہونا پڑے۔ اس سے نتائج کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں پڑے گا لیکن یہ طریقہ ہے حیران کن۔

مصر کا اضطراب

ترکی عراقی معاہدے کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دونوں وزرائے اعظم کے مشترکہ اعلان کا ماسکو، لندن اور واشنگٹن میں فوری ردِ عمل ہوا۔ ماسکو کا ردِ عمل معاندانہ ہے کیونکہ روس ایسے معاہدے کو کبھی اطمینان سے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس سے پیشتر عراق ماسکو میں اپنا سفارت خانہ بند کرنے کا اعلان کر چکا تھا۔ ہر چند عراق نے اس کی وجہ مالی مجبوری دی تاہم روس نے اسے مخالفانہ اقدام قرار دیا۔ لندن اور واشنگٹن میں اس اعلان کا خیر مقدم کیا گیا کیونکہ اس سے عراق مغربی محاذ میں شریک ہو جاتا ہے۔ عربی سیاست میں البتہ اس سے ہلچل سی مچ گئی۔ مصر نے خصوصیت سے اس پر تنقید کی اور اسے عرب لیگ کی حکمتِ عملی سے انحراف پر محمول کیا۔ مصر اس سے کچھ ایسا شش و پنج میں پڑا کہ وہ ایک طرف تو اس کی مذمت کرنے لگا اور دوسری طرف یہ کہنے لگا کہ جب تک پوری تفاصیل سامنے نہ آئیں تبصرہ ممکن نہیں۔ چند ہی روز میں یہ مخالفت اس تجویز میں متشکل ہوئی کہ تمام عرب ممالک کے وزرائے اعظم کی کانفرنس قاہرہ میں طلب کر کے اس پر بحث و تمحیص کی جائے۔ عراقی وزیر اعظم نوری السعید نے اس کانفرنس میں اس بنا پر شرکت سے معذوری کا اظہار کیا کہ وہ علیل ہیں لیکن مصری حلقوں میں اسے سیاسی علالت قرار دیا گیا اور کانفرنس کو ملتوی کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ یہ کانفرنس منعقد ہو چکی۔ شرکا میں سے لبنان، شام، شرق اردن، جنہوں نے ترکی عراقی معاہدے کو سراہا ہے۔ کوشاں رہے کہ عرب لیگ ممالک میں پھوٹ نہ پڑے اور مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ کانفرنس نے .... بالاتفاق ایک تار نوری السعید کو بھیجا گیا ہے جس میں ان کی صحت کی دعا کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا گیا ہے کہ وہ جلد از جلد کانفرنس میں شریک ہوں۔ اس کا جواب نوری کی طرف سے دیا گیا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ جونہی ان کے ڈاکٹروں نے اجازت دی وہ حاضر ہو جائیں گے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مصر عراق کے خلاف مطلوبہ مخالفت کی فضا پیدا کرنے سے قاصر رہا ہے، اور ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ کم از کم چار عرب ملک مجوزہ معاہدہ کے حق میں ہیں۔ یہ خیال پایا جاتا ہے کہ اگر نوری السعید خود قاہرہ نہ جا سکے تو وہ اپنے وزیر خارجہ پاسی اور کو شرکت کے لئے بھیج دیں گے اور معترض عربی ممالک کو معاہدے کے فوائد کا یقین دلائیں گے۔ گو یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ مصر اپنا موقف بدل دے گا لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ عراق کو اس معاہدے سے باز رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ اس صورت میں اسے کوئی درمیانی راہ ضرور نکالنی پڑے گی اور مخالفت کم کرنا پڑے گی۔

ترکی کے وزیر اعظم عدنان مندریز، جب عراق کا دورہ ختم کر کے لبنان گئے، تو انہوں نے لبنانی وزیر اعظم سمیع بے صلح کو بتایا کہ ترکی اور عراق عرب لیگ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ جو معاہدہ کریں گے، عراق اسے عرب لیگ کے سامنے بحث کے لئے پیش کرے گا۔ کہا جاتا ہے کہ لبنان نے وعدہ کیا ہے کہ اگر دیگر عربی ممالک معاہدہ سے متفق ہوئے تو وہ بھی اس میں شریک ہو جائے گا۔ اس دوران میں اردن کے وزیر اعظم لبنان میں چھٹی پر موجود تھے۔ انہیں بھی ان مذاکرات سے باخبر رکھا گیا۔ ترکی وزیر اعظم نے لبنان اور شام کو باقاعدہ طور پر معاہدہ کی دعوت دیدی ہے۔ ترکی پر ایک اہم اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔ قاہرہ کانفرنس میں مصری وزیر اعظم عبد الناصر نے بھی اسے دُہرایا۔ کہ اس نے یہودی حکومت کو تسلیم کر رکھا ہے اور اس سے تجارتی تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ ترکی نے بیروت میں اپنی پوزیشن واضح کی اور اربابِ حکومت کو بتایا کہ اس کی طرف سے یہ اصرار نہیں کیا گیا کہ عرب ممالک یہودی حکومت کو تسلیم کر لیں۔ بلکہ بعض اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ ترکی وزیر اعظم نے انہیں یقین دلایا کہ اگر "اسرائیل" نے ان پر حملہ کیا تو وہ اس حملے کو اپنے ملک پر حملہ کے مترادف سمجھیں گے اور اس کی مدافعت میں ان کی مدد کریں گے۔ یہ امور قاہرہ کی کانفرنس میں زیرِ بحث آئیں گے اور توقع ہے کہ مخالفت کم کرنے میں مدد دیں گے۔

لبنان نے ترکی سے تجارتی تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور ایک لبنانی تجارتی وفد ۵ ارفروری کو انقرہ پہنچ جائے گا۔ ان روابط سے بھی دونوں ممالک کے تعلقات میں استواری پیدا ہوگی۔

ایران کے متعلق بھی کہا جا رہا ہے کہ وہ ترکی عراقی معاہدے میں دلچسپی لے رہا ہے اور اس میں شریک ہونے پر رضامند ہے۔ یہ اندازہ واشنگٹن کی اطلاعات سے لگایا گیا ہے۔ شاہ ایران ان دنوں امریکہ میں ہیں اور انہوں نے نجی گفتگوؤں میں اس خواہش کا اظہار کیا ہے۔ وہ ۷ رفروری کو امریکی دورہ ختم کر رہے ہیں اور براستہ انگلستان وطن واپس آئیں گے۔ ان کے ایران پہنچنے پر ایرانی حکومت اس سلسلہ میں کچھ اقدام کرے گی۔ گویا چند ماہ میں کسی حتمی فیصلے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ایران کا اس معاہدہ میں شرکت کر لینا خلافِ توقع نہیں ہوگا۔ جب سے جنرل زاہدی برسرِ اقتدار آئے ہیں، ایران کی حکمتِ عملی واضح طور پر اقوامِ مغرب کے حق میں ہو گئی ہے۔ اسی سے وہ تیل کا تصفیہ کرانے میں بھی کامیاب ہوئے ہیں اور امریکہ سے معاشی مدد لینے میں بھی۔

مصر کا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہے۔ وہ ترکی سے روابط پوری طرح درست نہیں کر سکا، اس کے لئے بہت حد تک فضا ترکی وزیر اعظم کے دورے میں ہموار ہو جاتی لیکن مصری وزیر اعظم نے "مصروفیت" کی وجہ سے اعلان کیا کہ وہ معذور ہیں اور ترکی وزیر اعظم کو فی الحال مصر میں بلا نہیں سکتے، نہ خود ہی ترکی جا سکتے ہیں۔ یہ افسوسناک ضرور ہے لیکن اس کے پس پردہ سرد مہری کی فضا بدل رہی ہے اور باخبر حلقوں میں وثوق سے کہا جا رہا ہے کہ مصر کا میلان ترکی کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ ایسا نہ ہو۔ اقوامِ مغرب سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے میں مصر کے لئے دو موانعات تھے، اور وہ تھے سویز اور سوڈان۔ اب دونوں کا تصفیہ ہو چکا ہے اور مصر اقوامِ عرب سے روابط استوار کرنے کے لئے آزاد ہو گیا ہے۔ اس کی خانگی مشکلات اگر زیادہ نہ ہوتیں تو وہ شاید اب تک کچھ نہ کچھ عملی کارروائی کر چکا ہوتا۔ گذشتہ ہفتے مصری وزیر خارجہ ڈاکٹر محمد فوزی نے برطانوی اور امریکی سفیروں کو بتایا کہ ترکی عراقی معاہدے کی مخالفت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مصر مغرب کے خلاف ہے بلکہ مصر پوری طرح مغرب کے ساتھ ہے۔ مغرب کا ساتھ مصر کو ترکی کے ساتھ رکھنے میں بھی مدد دے گا۔ اس کی داغ بیل پہلے ہی ڈالی جا چکی ہے۔ سویز کے معاہدہ میں یہ مذکور ہے کہ ترکی پر حملے کی صورت میں بھی انگریز سویز میں واپس آجائیں گے۔ مصر اپنی سیاست اس اصل کے مطابق ڈھال لے تو مشرقِ وسطیٰ میں وحدت کی ایک مثال قائم کی جا سکتی ہے۔ اس وحدت میں مصر کا بھی بھلا ہوگا اور دیگر ممالکِ اسلامیہ کا بھی۔

تاریخی شواہد

اگر ہم قرآن کریم کی تعلیم کو دو لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو پورے اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی تعلیم کی بنیاد اور ماحصل ہے "قانونِ مکافاتِ عمل"! اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام کا ایک خاص نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور کوئی کام ایسا نہیں جو بے نتیجہ رہ جائے۔ خارجی (مادی اور طبعی) کائنات میں بھی یہی قانون کارفرما ہے اور انسانوں کی داخلی دنیا میں بھی یہی۔ خارجی کائنات میں اعمال کے نتائج محسوس طور پر سامنے آجاتے ہیں اور نسبتاً بہت جلد۔ مثلاً آپ آگ میں ہاتھ ڈالئے۔ نتیجہ فوراً سامنے آجائے گا۔ سنکھیا کھائیے۔ ہلاکت یا اس کے آثار صاف نظر آنے لگ جائیں گے لیکن انسانوں کی دنیا میں اعمال کے نتائج (بالعموم) نہ تو فوری طور پر سامنے آتے ہیں اور نہ ہی ایسے مرئی انداز سے جس کے محسوس کرنے میں دقت نہ ہو۔ مثلاً جھوٹ بولنا بھی ایسا ہی ہلاکت آفریں ہے جیسا زہر کھانا۔ لیکن جھوٹ بولنے والے کی ہلاکت اور اس کے آثار اس طرح سامنے نہیں آتے جس طرح زہر کھانے والے کے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ طبعی اعمال اور ان کے نتائج تو انفرادی ہوتے ہیں لیکن انسانی دنیا کے اعمال اپنے نتائج اجتماعی طور پر سامنے لاتے ہیں۔ مثلاً آگ میں ہاتھ ڈالنے والا کتنے ہی بڑے صاحب اقتدار اور طاقتور گروہ کا فرد کیوں نہ ہو، اس کا ہاتھ ضرور جل کر رہے گا۔ اس کی جماعت کی قوتیں اسے اس کے نتیجہ سے بچا نہیں سکیں گی۔ لیکن بددیانتی کرنے والا اگر کسی ایسی سوسائٹی کا فرد ہے جس نے دوسروں سے بددیانتی کو جائز قرار دے رکھا ہے اور خود اتنی قوت فراہم کر لی ہے کہ کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا، تو اس کے افراد کی بددیانتی کے ہلاکت انگیز اثرات فوراً سامنے نہیں آسکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دنیا کے موجودہ معاشرہ میں دیکھتے ہیں کہ ظالم اور بددیانت پنپتے چلے جاتے ہیں اور مظلوم اور دیانتدار پس رہے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا کا قانونِ مکافات معطل ہو گیا یا بدل گیا ہے اور اب ظلم اور بددیانتی کے کام ہلاکت انگیز ہونے کے بجائے حیات بخش اور سعادت آور ہو گئے ہیں۔ یہ روش زندگی بدستور ہلاکت انگیز ہے لیکن غلط نظام کے تباہ ہونے میں وقت لگتا ہے۔ یعنی ان کے اعمال کے نتائج تو ساتھ کے ساتھ مرتب ہوتے رہتے ہیں لیکن ان کی پختگی کے بعد ظہور میں آنے کے لئے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ اس مدت کا عرصہ اتنا لمبا ہوتا ہے کہ وہ ایک فرد کی زندگی میں پورا نہیں ہوتا اس لئے افراد اس دھوکے میں رہتے ہیں کہ غلط نظام تباہ و برباد ہوتا ہی نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کو پرکھا کس طرح سے جا سکے کہ غلط نظام کا انجام تباہی اور بربادی ہوتا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ اس کا اندازہ امم سابقہ کی تاریخ سے لگ سکے گا کہ کس قسم کے نظام کا انجام کس انداز کا ہوتا ہے۔ یہی وہ مقصد ہے جس کے لئے انبیائے سابقہ اور امم گذشتہ کے احوال و کوائف اس شرح و بسط سے بیان کرتا ہے۔ وہ بتاتا یہ ہے کہ ان اقوام نے غلط نظام قائم کر رکھے تھے۔ حضرات انبیائے کرام انہیں ان کے غلط نظام کے نتائج و عواقب سے آگاہ کرتے اور اس سے باز رہنے کی تلقین کرتے۔ وہ ان کی اس تنبیہ و تنذیر پر کان نہ دھرتے اور آخر الامر تباہ و برباد ہو جاتے۔

ہمارے دور میں تاریخ نے ایک سائنس (یا فلسفہ) کی حیثیت اختیار کر لی ہے لیکن جس وقت قرآن نے تاریخ کو اس حیثیت سے پیش کیا تھا اس وقت اول تو تاریخ اس قدر عام تھی ہی نہیں اور جو ممالک اس سے کچھ واقفیت رکھتے تھے، ان کے ہاں بھی اس کی حیثیت وقائع نگاری سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ قرآن نے اس زمانہ میں بتایا کہ تاریخ کی صحیح حیثیت ایک سائنس (یا فلسفہ زندگی) کی ہے اور اس کا مقصد فطرت کے اس قانونِ مکافاتِ عمل کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچانا ہے۔ یعنی یہ بتانا کہ فلاں قسم کے اجتماعی نظام کا نتیجہ یہ ہوا کرتا ہے۔ اسی کو تاریخ کی سائنس کہا جاتا ہے۔

زیر نظر عنوان طلوع اسلام کا مستقل باب ہو گا۔ جس میں ان انبیائے کرامؑ اور اقوام و ملل کی داستانیں مسلسل بیان کی جائیں گی جن کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے اور آخر میں ان پر مبسوط تبصرہ سے بتایا جائے گا کہ وہ کونسا قانون ہے جسے ان داستانوں میں پیش کیا گیا ہے اور وہ قانون آج ہمارے معاشرہ میں کس طرح کارفرما ہے۔ یہی ان تاریخی شواہد کے بیان سے مقصود ہے کہ ہم دیکھیں کہ ہماری روش ان قوموں جیسی ہے جن کے حصے میں زندگی کی خوشگواریاں اور شادابیاں آئی تھیں یا ان جیسی جو حیات اور اس کی تازگیوں سے محروم ہو کر تباہ و برباد ہو گئی تھیں۔

اس تذکرہ کی ابتدا اقوام حضرت نوح سے ہوتی ہے اور اس سے ہم اس سلسلہ کا آغاز کرتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

حضرت نوح علیہ السلام

دور افق مبین پر تاروں کی چھاؤں میں انسانی رشد و ہدایت کی آسمانی قندیلیں ہاتھ میں لئے نورانی پیکروں کا جو مقدس قافلہ دکھائی دیتا ہے قرآن کریم نے اس کے تذکرۂ جمیلہ کی ابتدا حضرت نوحؑ سے کی ہے۔

آج دنیا کے گوشے گوشے میں انسانوں کی آبادی نظر آتی ہے۔ لیکن دنیا شروع سے اسی طرح آباد نہیں چلی آئی۔ علمائے تاریخ الامم رفتہ رفتہ اثری انکشافات سے اس نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں کہ نسل انسانی کا اولین سرچشمہ کسی ایک مقام پر تھا جہاں سے اس کی سوتیں پھوٹیں اور ندیوں اور دریاؤں کی شکل میں اطراف عالم میں نکلیں

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا (۷۱/۱۷)

اور اللہ نے تم کو زمین سے نباتات کی طرح پھیلایا۔

قیاس کیا جاتا ہے کہ انسانی آبادی کا یہ اولین سرچشمہ جھیل کیسپین (CASPEAN SEA) کے اطراف و جوانب میں واقع تھا۔ اس قیاس کے ماتحت علم الاقوام و السنہ کے محققین نے اقوام عالم کو مختلف مماثلت و مشابہت کی بنا پر تین شاخوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) آریائی (ایرین) مثلاً ہندی اقوام، ایرانی اور فرنگستانی۔

(۲) تورانی (منگولین) مثلاً ترکستانی، چینی۔

(۳) سامی (سیمیٹک) مثلاً عرب، آرامی، عبرانی، سریانی، کلدانی وغیرہ۔

بعض علمائے انساب، اقوام عالم کی تقسیم اختلافِ رنگ کی بنا پر کرتے ہیں۔ یعنی سفید فام (مثلاً امم سامیہ اور فرنگی) سیہ فام یا سرخ فام (باشندگانِ افریقہ) اور زرد فام (جاپانی اور چینی وغیرہ) ان کے برعکس تورات کا بیان ہے کہ طوفانِ نوحؑ کے بعد جب انسانوں کی نئی زندگی شروع ہوئی تو نسلِ انسانی حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں یافث (JAPHETH) حام (HAM) اور سام (SHEM) سے آگے بڑھی اور موجودہ اقوام عالم انہی کی یادگار ہیں۔ ان تینوں نسلوں میں سے تورات کو صرف سامی نسل (SEMITIC RAGE) سے تعلق ہے کیونکہ انبیائے کرام کا وہ سلسلہ جس کا ذکر تورات میں ہے اسی خاندان سے متعلق تھا۔

بنی سام کی اس قوم کا مولد و مسکن کونسا علاقہ تھا؟ یہ مسئلہ علمائے تاریخ کے نزدیک اہم مباحث کا مرکز رہا ہے۔ اگرچہ تاریخ کی قدیم ترین کتابوں میں اس موضوع پر بہت کچھ ملتا ہے۔ لیکن اٹھارویں اور انیسویں صدی کے اثری انکشافات نے بحث و نظر کا رخ اس طرح بدل دیا ہے کہ اب بیسویں صدی میں یہ مسئلہ گویا متحقق ہو چکا ہے کہ امم سامیہ کا اولین وطن ملک عرب تھا، جہاں سے نکل کر وہ بابل، اسیریا، مصر اور فینیشیا تک پھیل گئیں۔ ان تحقیقات سے یہ اہم حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آرہی ہے کہ امم سابقہ اور مللِ قدیمہ کی تاریخ و تمدن میں عرب کو کیا اہمیت حاصل رہی ہے۔ یعنی مصر، شام، فلسطین و عراق وغیرہ کی تمام تہذیبیں جنہیں الگ الگ سلسلہ کہا جاتا ہے، درحقیقت ایک ہی درخت کی مختلف شاخیں ہیں جو سرزمین عرب سے ابھریں۔ اس اعتبار سے ان تمام اقوام کی زبانوں کی اصل بھی عربی زبان کی قدیم شکل قرار پائے گی۔ یہ امور ہنوز ان انکشافات کا نتیجہ ہیں جو معرض شہود میں آچکے ہیں۔ کیا معلوم آگے چل کر ان میں کیا کیا اضافے ہوتے چلے جائیں گے جن سے حقیقت سامنے آجائے گی کہ قرآن کریم نے بالتخصیص انہی اقوام اور انہی انبیائے کرامؑ کا ذکر کیوں کیا ہے؟ ہو سکتا ہے (اور قرائن اس پر شاہد ہیں) کہ مزید اکتشافات سے انسانی آبادی کی موجودہ تقسیم (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) سمٹ سمٹا کر اس ایک نقطہ میں مرکوز ہو جائے کہ ان تمام اقوام عالم کی ابتدا ریگستانِ عرب ہی سے ہوئی جہاں کے شہر مکہ کو قرآن کریم اُمّ القریٰ (آبادیوں کی ماں) قرار دیتا ہے۔ بہرحال آج یہ قریب قریب متحقق ہو چکا ہے کہ سامی اقوام کا مولد اول عرب تھا جہاں سے وہ اطراف و جوانب میں پھیلیں۔ ان اقوام کے مورثِ اعلیٰ سام، حضرت نوحؑ کے بیٹے تھے۔ اس لئے قوم نوح کا وطن بھی انہی علاقوں میں تھا۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ حضرت نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ ... نے اس کا نام "ارارط" بتایا ہے جس کے متعلق قیاس ہے کہ وہ آرمینیہ کے سلسلہ کوہ کا محور ہے۔ اسی سلسلہ کوہ سے دجلہ و فرات (Tigris and Euphrates) بہتے ہوئے ... سامنے آئیگی۔ خلیج فارس سے کچھ اوپر آپس میں مل کر اس خلیج میں گر جاتے ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ قوم نوح کا وطن

اسلام کی سرگذشت

ایک چیز ہے مسلمانوں کی تاریخ۔ یعنی قوم کس طرح وجود میں آئی۔ کہاں کہاں ان کی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ مختلف سلاطین نے کیا کیا کام کئے۔ انہوں نے کون کون سی لڑائیاں لڑیں۔ انہیں عروج کس طرح حاصل ہوا اور اس کے بعد سلطنتیں زوال پذیر کس طرح سے ہوئیں۔ آج اُن کے آثار و بقیات کیا ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن دوسری چیز یہ ہے کہ خود اسلام پر کیا گذری۔ یہ شروع میں کہاں تھا۔ پھر یہ کن مراحل سے گذرا۔ ان میں اس پر کیا کیا اثرات مرتب ہوئے۔ اس میں کون کون سے خارجی عناصر شامل ہو گئے۔ ان اثرات و عناصر سے اس کی شکل کیا بن گئی اور اس طرح یہ کیسے اس حقیقی اسلام سے یہ کچھ بن گیا جو آج ہمارے پاس ہے۔ یہ وہ داستان ہے جسے اسلام کی سرگذشت کہا جائے گا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اسلام کی سرگذشت خود مسلمانوں سے الگ ہٹ کر بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ اسلام کے مظہر خود مسلمان ہی تو تھے (اور ہیں)۔ اگر تاریخ میں کسی مقام پر مسلمان نہیں ملتے تو وہاں اسلام بھی نہیں ملے گا۔ اس لئے اسلام کی سرگذشت کے ساتھ خود مسلمانوں کی سرگذشت کا ایک حصہ ضرور آ جائے گا۔ بایں ہمہ مسلمانوں کی یہ سرگذشت ضمنی حیثیت رکھے گی اور اسلام کی سرگذشت بنیادی۔ زیر نظر عنوان طلوع اسلام کا ایک مستقل باب ہے۔ اس میں مسلسل طور پر بتایا جائے گا کہ اسلام کن کن وادیوں میں سے گذر کر ہم تک پہنچا اور راستے میں اس پر کیا کیا بیتی۔ اس مقصد کے لئے اگرچہ عمومی حیثیت سے بہت سی کتابیں ہمارے سامنے رہیں گی لیکن اس باب میں محوری حیثیت علامہ احمد امین (مصری) کی قابل قدر تصنیف فجر الاسلام، ضحی الاسلام وغیرہ کو حاصل ہوگی۔ یہ کتابیں عربی میں ہیں اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے ان کا اردو ترجمہ ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ اگر آپ اس باب کا مسلسل مطالعہ کرتے رہیں گے تو علامہ امین کی تحقیقات کے نتائج آپ کے سامنے آتے جائیں گے جو آپ کے لئے بہت مفید مطلب ثابت ہوں گے۔

چونکہ ہم اسلام تک پہنچ نہیں سکتے جب تک عرب اور اہل عرب کے احوال و ظروف ہمارے سامنے نہ آ جائیں، اس لئے اس سرگذشت کی ابتدا بھی دورِ جاہلیت کے عربوں سے ہوگی۔ اشاعتِ حاضرہ میں اس سلسلہ کی پہلی کڑی پیش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ سرگذشت مسلسل جاری رہے گی۔ واللہ المستعان۔

عرب دورِ جاہلیت میں

(۱) جزیرۂ عرب

عربوں کا مسکن تنہا جزیرۂ عرب ہی نہ تھا بلکہ اس کے ارد گرد بھی ان کی آبادیاں تھیں۔ لیکن جزیرۂ عرب چونکہ اکثر و بیشتر عربوں کا اہم ترین مسکن رہا ہے اس لئے اس جزیرہ کو ان کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔

جنوب مغربی ایشیا میں یہ ایک اقلیم ہے جس کے شمال میں صحرائے شام، مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان، جنوب میں بحر ہند اور بحر احمر واقع ہیں۔

اس کا مغربی حصہ بلندی پر واقع ہے اور مشرق کی طرف نشیب اختیار کرتا چلا گیا ہے البتہ عمان کے نزدیک کا حصہ پھر بلند ہو گیا ہے۔ اس میں ہمیشہ بہنے والی نہریں نہیں ہیں البتہ کچھ وادیاں ہیں جن میں پانی بہنے لگتا ہے اور کبھی خشک ہو جاتی ہیں۔

اس کا بڑا حصہ وسطی علاقہ میں اس کا صحراء ہے۔ اس صحرا کی طبعی حالت یکساں نہیں ہے بلکہ تین قسموں پر مشتمل ہے۔

صحرا کی قسم اوّل

وہ صحراء ہے جسے صحراء سماوہ کہتے ہیں۔ اس صحراء کو آجکل "صحراء نفود" بھی کہتے ہیں (یہ نام قدیم عربوں میں معروف نہیں تھا) یہ شمال میں واقع ہے اور شمال قرار دیا گیا ہے۔ لبنان، شام، مشرق ... طول ۱۴۰ میل اور مشرق سے مغرب کی ۱۰۰ میل ہے۔ اس کے ٹیلے نہایت ہی نرم ریت کے ہیں جن پر چلتے چلتے آدمی کے پاؤں دھنس جاتے ہیں۔ اس میں بہت کم کنوئیں اور ممالک میں پھوٹ ... ہوائیں اس کی ریت کے ساتھ کھیلتی رہتی ہیں اور ٹیلے اور تودے بناتی رہتی ہیں۔ سردی کے زمانہ میں یہاں بارش ہو جاتی ہے اور اس کے بعض حصوں میں جنگلی گھاس اور رنگ برنگے چھوٹے چھوٹے بیل بوٹے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے اکثر باشندے بدوی لوگ ہیں جو گرمیوں میں تخوم کی طرف چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ گرمیوں میں یہاں کچھ پیدا نہیں ہوتا اور شدید گرمی پڑتی ہے۔ وہ سردیوں میں پھر واپس آ جاتے ہیں اور اپنے اونٹوں اور بکریوں کو یہاں چراتے ہیں۔

صحراء سماوہ کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے جسے آجکل کو و شمر کہتے ہیں۔ یہ جبل اجا کی جنوب کی طرف اوپر سے پھیلا ہوا پہاڑ ہے۔ اس کا موسم معتدل، بارشیں کثیر اور گھاس بافراط ہوتی ہے۔ اس میں بہت سی آبادیاں اور گاؤں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہی وہ پہاڑ ہے جو قدیم عربوں میں طے کے دونوں پہاڑوں یعنی اُجا اور سلمیٰ کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔ اسے اب شمر کہنے لگے ہیں جو قبیلۂ طے ہی کی ایک نئی شاخ کا نام ہے۔

صحرا کی دوسری قسم

جنوبی صحراء ہے جو صحراء سماوہ سے متصل ہی چلا گیا ہے جو مشرق کی طرف پھیلتا ہوا خلیج فارس تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی پیمائش کا اندازہ تقریباً پچاس ہزار میل مربع ہے۔ اس کی زمین اکثر ہموار اور سخت ہے جہاں سنگریزے پھیلے ہوتے ہیں اور ریت کی موجیں اٹھتی رہتی ہیں۔ بارش جب اپنے موسم پر ہو جاتی ہے تو یہاں گھاس کی پیداوار اچھی ہو جاتی ہے۔ بدو لوگ اپنے اونٹوں بکریوں اور عورتوں کو لیکر ادھر نکل آتے ہیں اور تقریباً تین مہینے یہاں قیام کرتے اور اپنے جانوروں کو چراتے اور اُن کے دودھ پر بسر اوقات کرتے ہیں۔ گرمی آتے ہی گھاس سوکھ جاتی ہے اور بدو لوگ اپنے وطن کو واپس چلے جاتے ہیں۔ اس حصہ میں اکثر قحط سالی رہتی ہے۔ کہیں کہیں خال خال درخت ہیں اور کھجوروں کے جھنڈ ہوتے ہیں۔ عربوں نے اس صحراء کے مختلف نام رکھ چھوڑے ہیں۔ وہ حصہ جو یمن اور حضرموت کے مشرق میں واقع ہے اسے صیھد کہتے ہیں۔ جو حصہ حضرموت کے شمال اور مشرق کے درمیان واقع ہے اسے احقاف کہتے ہیں، اور جو حصہ نجد کے شمال میں واقع ہے اسے دھناء کہتے ہیں مگر آجکل اس پورے صحراء کو ربع خالی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

صحراء کی تیسری قسم

سیاہ سنگستان (حرّات) ہیں۔ حرّہ کا ... جیسا کہ یاقوت کی معجم میں ہے۔ سیاہ چٹانوں کی سرزمین کہلاتی ہے جو ایسے پتھر ہوتے ہیں گویا انہیں آگ میں جلا دیا گیا ہو۔ یہ سیاہ سنگستان حوران کے مشرق سے شروع ہو کر بڑھتے ہوئے مدینہ منورہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ خود مدینہ منورہ دو حرّوں کے درمیان واقع ہے۔ جزیرۂ عرب میں اس قسم کے حرّے (سیاہ سنگستان) بکثرت ہیں جن میں سے یاقوت نے اپنی معجم میں تقریباً انتیس حرّے شمار کئے ہیں۔ ان میں سے مشہور ترین حرۃ واقم ہے۔ یہی وہ حرّہ ہے جس کی طرف واقعہ حرّہ کی نسبت کی جاتی ہے۔

جب ہم اس صحراء سے آگے بڑھتے ہیں تو جزیرۂ عرب کا مغربی حصہ ہمیں دو صوبوں پر مشتمل ملتا ہے۔ شمال میں حجاز، اور جنوب میں یمن۔ حجاز ایلہ (عقبہ) سے لیکر یمن تک چلا گیا ہے۔ اس کا نام۔ جیسا کہ لوگ کہتے ہیں حجاز اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو تہامہ کو الگ کر دیتا ہے۔ یہ بحیرۂ احمر کے کنارہ پر ... بمقابلہ نجد کے جو مشرق میں بلند زمین ہے۔ ایک طویل نشیبی زمین ہے۔ حجاز ایک خشک پہاڑی ملک ہے جس میں بہت سی وادیاں ہیں جو بارش کے بعد سیلابی پانیوں سے بھر جاتی ہیں، ان کے پانی سمندر کی طرف چلے جاتے ہیں۔ لیکن یہ پانی بہت زیادہ نہیں ہوتے۔ بعض شہروں جیسے طائف میں اس کا موسم معتدل ہوتا ہے مگر ان کے علاوہ دوسری جگہوں میں موسم نہایت گرم رہتا ہے۔ اس کے اکثر باشندے خانہ بدوش بدوی ہیں۔ یہ بدوی باشندے آجکل ہمارے زمانہ میں بھی اس کی آبادی کا پانچ بٹا چھ (پانچ چھٹے) حصہ ہیں۔ آبادی کا صرف چھٹا حصہ آبادیوں اور شہروں میں رہتا ہے۔

حجاز کی اہمیت تجارتی راستہ پر واقع ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی جو یمن کو شمالی شہروں سے ملاتا ہے۔ اسلام سے پہلے یہودی اس طرف بڑھے اور خیبر اور مدینہ وغیرہ میں اپنی نو آبادیاں قائم کر لیں۔ اس کا مشہور ترین شہر مکہ ہے جو ایک بے آب و گیاہ وادی میں واقع ہے۔ اس کا طول شمال سے جنوب کی طرف تقریباً دو میل اور عرض مشرق سے مغرب کی طرف تقریباً ایک میل ہے۔ اس میں زمزم کے کنوئیں کے علاوہ کوئی پانی نہیں ہے۔ اس علاقہ کا دوسرا شہر مدینہ ہے جس کا اصل نام یثرب ہے۔ اس کے شمال میں کوہ اُحُد واقع ہے۔ یہاں کھجوروں کے کافی باغات ہیں۔ اس کے شمال مشرقی حصہ میں خیبر واقع ہے۔ اس کی زمین زراعت کے قابل نہیں ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ایسے ضرور پائے جاتے ہیں جن میں کھیتی کی جا سکے لیکن چونکہ پانی کی فراوانی ہر جگہ نہیں ہے اس لئے ان قطعات کی بھی کوئی زرعی اہمیت باقی نہیں رہتی۔

مجلسِ اقبال

(گذشتہ سے پیوستہ)

جس طرح "انا" کی آزادی کے مسئلہ میں مادہ کا عقدہ پیش آتا ہے۔ اسی طرح غیر فانیت کے سلسلہ میں وقت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ برگسان نے ہمیں یہ بتلایا ہے کہ وقت کوئی غیر محدود خط (خط مفہوم مکانی) نہیں جس سے ہم سبھوں کو خواستہ نخواستہ گذرنا ضروری ہے۔ یہ تصور مخلوط و ممزوج وقت کا ہے (وقت کا یہ ایک غلط تصور ہے) خالص وقت کوئی طول نہیں رکھتا۔ شخصی لافانیت ایک آرزو ہے۔ تم اگر کوشش کرو تو اسے حاصل کر سکتے ہو۔ یہ اس بات پر موقوف ہے کہ ہم اس زندگی میں خیال و عمل کے وہ طریقے اختیار کریں، جو انتصاب کی حالت کو قائم رکھنے میں معین ہوں۔ بودھ مذہب، عجمی تصوف اور اس قبیل کے دوسرے تخیلات اخلاقی ہماری غرض پوری نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ کلیتاً بیکار بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ایک مدت دراز کی سعی و عمل کے بعد ہم کو کچھ دیر کے لئے خواب آور دواؤں کی حاجت پڑ ہی جاتی ہے۔ اس قسم کے اعمال و اذکار گویا ایام زندگی کی راتیں ہیں۔ پس اگر ہمارے اعمال انتصاب کی حالت کو قائم رکھنے کے لئے ہوں تو غالب یہ ہے کہ مرگ کے صدمہ سے اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ مرنے کے بعد ہستر خاکا ایک زمانہ آتا ہے جیسا کہ قرآن میں برزخ یا درمیانی حالت کا ذکر آیا ہے۔ یہ زمانہ حشر تک رہے گا۔ اس سکون ہستر خاکی حالت کے بعد صرف وہی "انا" باقی رہیں گے جو موجودہ زندگی میں بہت محتاط رہے ہیں۔ اگرچہ ارتقاء حیات میں تکرار و اعادہ کا گزر نہیں تاہم بقول وِلڈن کار، برگسان کے اصول کے مطابق حشر اجساد بھی بالکل ممکن ہے۔ وقت کو لمحوں میں تقسیم کر کے ہم ہی اس میں مکان کا مفہوم پیدا کر دیتے ہیں اور تب اس کی تسخیر ہم کو مشکل معلوم ہوتی ہے۔ وقت کی حقیقی نوعیت ہم کو اس وقت معلوم ہوتی ہے، جب ہم اپنے عمیق تر خودی پر غائر نظر ڈالتے ہیں۔[1] حقیقی وقت خود زندگی ہے، جو بقاء دوام حاصل کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس مخصوص حالت انتصاب کو قائم رکھے جس نے اس کو تا ایں دم قائم رکھا ہے۔ ہم وقت کے محکوم اس وقت تک بنتے ہیں، جب تک ہم وقت کو ایک مکانی چیز سمجھتے ہیں۔ مکانی وقت ایک زنجیر یا ہے جس کو زندگی نے اپنے واسطے اس غرض سے اختراع کر لیا ہے، کہ موجودہ ماحول کو جذب کر سکے۔ حقیقتاً ہم وقت کی پابندی سے آزاد ہیں۔ اور وقت سے بے قیدی کا احساس (علم) ہم کو اس زندگی میں بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ احساس بالمکاشفہ محض عارضی ہو گا۔

عشق اور خودی کی تربیت

خودی عشق سے مستحکم ہوتی ہے۔[2] یہ لفظ (عشق) بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے، اور اس سے مراد خواہش جذب و تسخیر ہے۔ اس کی اعلیٰ ترین شکل تخلیق قدر و مقاصد اور ان کے حصول کی سعی ہے عشق، عاشق و معشوق، دونوں کو منفرد کر دیتا ہے (خدا کی بے مثل و یکتا ترین ذات کے وصل (حصول) کی کوشش، طاقت کو شخص (منفرد) بناتی ہے۔ اور ضمناً یہ مفہوم مطلوب کی فردیت پر بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ کوئی اور چیز طالب کی فطرت کو تسکین نہیں دے سکتی۔

سوال یعنی فقدانِ عمل

جس طرح خودی عشق سے مستحکم ہوتی ہے۔ اس طرح سوال سے وہ ضعیف ہوتی ہے۔[3] ہر وہ چیز جو بغیر ذاتی کوشش کے حاصل ہو سوال ہے۔ ایک دولتمند آدمی کا لڑکا جو اپنے والد (ین) کی دولت ورثہ میں حاصل کرتا ہے۔ وہ بھی سائل ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی، جو دوسروں کے خیالات کو اپنے خیالات بناتا ہے۔ پس خودی کو مستحکم کرنے کے لئے ہم کو چاہیئے کہ عشق (یا عمل جاذبہ کی قوت) پیدا کریں۔ اور ہر قسم کے سوال یا فقدان عمل سے بچیں۔ نبی صلعم کی حیات مبارک سے کم از کم ایک مسلم کو تو عمل جاذبہ کا سبق مل ہی سکتا ہے۔

مثنوی کے کسی دوسرے حصہ میں میں نے اشارتاً اسلامی اخلاقیات کے عام اصول بیان کئے ہیں۔ اور شخصیت کے تصور کے سلسلہ میں ان کے معانی سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ خودی کو یکتا و بے مثل ہونے کے لئے تین مراحل طے کرنا پڑتے ہیں۔

(۱) اطاعت قانون

(۲) ضبطِ نفس،[4] جو احساس نفس و خودی کا آخری مرتبہ ہے۔

(۳) نیابت الٰہی۔[5]

مقامِ محمدیؐ خلافت و نیابت

نیابت الٰہی اس دنیا میں ارتقاء انسانی کی تیسری اور آخری منزل ہے۔ نائب حق خلیفۃ اللہ علی الارض ہے۔[6] یہ کامل ترین "انا" ہے جو بنی نوع انسان کا نصب العین اور زندگی کی روحانی و جسمانی معراج ہے۔[7] اس کے اندر ہماری حیات نفسی کے تمام انتشارات ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ ترین قوت عمل۔ اس میں اعلیٰ ترین علم سے متحد ہوتی ہے۔ اس کی زندگی میں خیال و عمل۔ اور عقل و جبلت ایک ہو جاتے ہیں۔ وہ نخلِ انسانیت کا ثمر آخریں ہے اور ارتقاء حیات کی تمام صعوبتیں اور تلخیاں اس لئے گوارا ہو سکتی ہیں کہ ان کا آخری انجام اس کی شکل میں ظاہر ہونے والا ہے۔ بنی نوع انسان کا وہ حقیقی حکمران ہے۔ اس کی حکومت، حکومت اللہ فی الارض ہے۔ وہ اپنی فطرت کے خزانے سے دوسروں کو زندگی کی دولت عطا کرتا ہے۔ اور ان کو اپنے قریب تر لاتا جاتا ہے جس قدر ہم منازل ارتقاء طے کرتے جاتے ہیں۔ اسی قدر اس کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے تقرب سے میزان حیات میں اپنے آپ کو بلند تر کرتے جا رہے ہیں۔ نوع انسانی کا ذہنی و جسمانی دونوں حیثیتوں سے ترقی یافتہ ہونا اس کی آمد کا ایک لازمی مقدمہ ہے۔ ارتقاء انسانی ایک آئیڈیل قوم کے وجود میں آنے کی خبر دے رہا ہے۔ جس کے افراد کم و بیش ایسے بے مثل و یکتا ہوں گے۔ جن میں اس نائب حق کے والدین ہونے کی صلاحیت ہو گی۔ پس حکومت اللہ علی الارض سے مراد وہ جمہوریت ہے جس کے افراد کم و بیش یکتا ہوں گے، اور جس کا صدر وہ یکتا ترین فرد ہو گا، جس کا امکان اس دنیا میں ہو سکتا ہے۔ نیٹشے کو اس آئیڈیل قوم کی ایک جھلک نظر آئی۔ مگر اس کی دہریت اور مادہ پسندی نے اس کے سارے فلسفہ کو مسخ کر دیا۔

---

[1] اے اسیرِ دوش و فردا در نگر — در دلِ خود عالمے دیگر نگر

[2] نقطۂ نورے کہ نام او خودی ست — زیرِ خاکِ ما شرارِ زندگی ست الخ

[3] اے فراہم کردہ از شیراں خراج — گشتۂ روبہ مزاج از احتیاج الخ

[4] نفس تو مثلِ شتر خود پرور است — خود پرست و خود سوار و خود سر است الخ

[5] گر شتر بانی جہاں بانی کنی — زیبِ سر تاجِ سلیمانی کنی

[6] (ہم اس نکتہ کی تشریح اس کے مقام پر کریں گے۔ طلوع اسلام)

[7] انی جاعل فی الارض خلیفۃ

تا خدائے کعبہ بنوازد ترا — شرحِ انی جاعل سازد ترا

اسلامی معاشرت

مسلمان کی روزمرہ کی زندگی کیسی ہونی چاہیئے۔ اس کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ اس کے رہنے سہنے کا ڈھنگ۔ اپنوں اور بیگانوں سے اس کے تعلقات اور معاملات۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ غرضیکہ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر انداز و سلوک قرآنی آئینہ میں کیسا ہونا چاہیئے۔

اس مختصر سی کتاب میں یہ سب کچھ آ گیا ہے۔

پیرایۂ بیان نہایت سادہ اور دل نشین تاکہ بچے اور کم تعلیم یافتہ لوگ بھی سمجھ سکیں۔

کتابت جلی اور کھلے کھلے لفظوں میں اس انداز سے کرائی گئی ہے کہ بچے اور کم تعلیم یافتہ لوگ با آسانی پڑھ سکیں۔ سکول سائز ۱۹۲ صفحات

قیمت مجلد دو روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ:- ناظم ادارۂ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۲ء۔ کراچی

باب المراسلات

نماز کیسے پڑھیں؟

سکھر سے ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ اگر ہم تمام حدیثوں کو اٹھا کر پھینک دیں تو ہم نماز کیسے پڑھیں؟ کیا قرآن سے کسی اور قسم کی نماز مرتب کی جائے گی؟

(طلوع اسلام) آپ سے کس نے کہا ہے کہ تمام حدیثوں کو اٹھا کر پھینک دیجئے اور قرآن سے نماز کی جزئیات مرتب کرنے بیٹھ جائیے۔ یہ غلطی انہوں نے کی جو اہلِ قرآن کے نام ۔۔۔ سے متعارف ہیں۔ ان کی نیت نیک تھی لیکن نگاہ غلط تھی۔ اور جس طرح نیت کی خرابی سے قرآن صحیح طور پر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اسی طرح نگاہ کی غلط بینی سے بھی اس کے صحیح مطالب سامنے نہیں آسکتے۔ قرآن نے صرف دین کے اصول دیئے ہیں اور (بجز چند احکام کے) باقی امور کی جزئیات خود متعین نہیں کیں بلکہ اسے قرآنی نظام پر چھوڑ دیا۔ ان جزئیات کو سب سے پہلے رسول اللہ صلعم نے متعین کیا۔ یہ چیز قرآنی نظام کے دیکھنے کی ہوتی ہے کہ کسی پہلے سے متعین شدہ جزئیات میں زمانہ کے تقاضوں کے مطابق کسی تبدیلی کی ضرورت ہے یا نہیں۔ جب یہ قرآنی نظام نہ ہو تو پہلے سے متعین شدہ جزئیات میں رد و بدل کا حق کسی فرد کو نہیں پہنچتا۔ مصطلحہ اہلِ قرآن حضرات کی نگاہوں سے یہ اہم حقیقت اوجھل ہو گئی اور انہوں نے ہر اصول کی جزئیات کو قرآن سے تلاش کرنا شروع کر دیا اور اس میں فاش غلطیاں کیں۔ آج جبکہ اسلامی نظام نہیں ہے تو ہم میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے طریقہ کے مطابق نماز پڑھ لینی چاہیئے اور کسی نئے طریقہ کو وضع کر کے ملت میں مزید انتشار کا موجب نہیں بننا چاہیئے۔ یہی صورت دین کے دیگر ارکان کی ہے۔ البتہ اگر مسلمانوں میں کوئی ایسی چیز رائج ہو چکی ہے جو قرآن کی تعلیم کے خلاف جاتی ہے تو اس کی نقاب کشائی ضرور کرنی چاہیئے اس میں شبہ نہیں کہ آج ہمارے دینی اعمال وہ نتائج پیدا نہیں کر رہے جن کے لئے وہ تجویز ہوئے تھے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ آج قرآنی نظام موجود نہیں جب یہی ارکان اس نظام کے اجزاء بن جائیں گے تو پھر ان سے وہی نتائج مرتب ہونے شروع ہو جائیں گے۔

الکحل کا استعمال دوا سازی میں

کراچی سے ایک صاحب دریافت فرماتے ہیں کہ

میں انگریزی دوا سازی کی صنعت قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر درمیان میں ایک بزرگ نے یہ کہہ کر روک دیا ہے کہ ان ادویات میں الکحل استعمال کی جاتی ہے لہٰذا ان کا بنانا اور بیچنا ناجائز ہے۔ کیا آپ بتائیں گے کہ کیا الکحل (جب کہ اسکو نشہ کے علاوہ کسی دیگر ضرورت کے لئے استعمال کیا جائے) کا تیار کرنا۔ خریدنا اور بیچنا ناجائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو کیوں اور جائز ہے تو کیوں؟

۲- اگر الکحل کی تجارت ناجائز ہے تو کیا ان چیزوں میں الکحل شامل ہے ان کی تجارت بھی ناجائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو کیوں، حالانکہ سرکہ میں بھی الکحل کے اجزاء موجود ہیں اور شریعت میں وہ متفقہ طور پر حلال ہے۔

۳- اگر ان ادویات کا تیار کرنا جن میں الکحل شامل ہے ناجائز ہے تو کیا ان کا استعمال جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیوں اور اگر جائز نہیں تو کیوں؟

(طلوع اسلام) قرآن نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان کے متعلق ضمنی قوانین مرتب کرنا قرآنی نظام کا کام ہوگا۔ (وہی) یہ متعین کرے گا کہ اضطراری حالات کونسے ہیں اور ان حالات میں ان چیزوں کے استعمال کی اجازت کس حد تک دی جا سکتی ہے۔ اس نظام کی عدم موجودگی میں افراد کے فتاویٰ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

قرآن نے خمر کے استعمال کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اس میں فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی۔ لیکن اس کے نقصانات اس کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔ لہٰذا بجز ان اضطراری حالات کے جن میں قرآن نے حرام چیزوں کے کھانے پینے کی اجازت دی ہے، شراب پینا قطعاً ناجائز ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ دوا سازی کے کام میں الکحل کے استعمال کے متعلق کیا سمجھنا چاہیئے۔ سو ظاہر ہے کہ اگر ان دوائیوں کا استعمال جن میں الکحل پڑی ہوگی جائز قرار پائے گا تو دوا سازی کے لئے اس کا استعمال بھی جائز ہوگا۔ ایلو پیتھی اور ہومیو پیتھی کی بیشتر دوائیاں الکحل میں بنتی ہیں اور ان دوائیوں کا استعمال عام ہو رہا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اسلامی نظام ان دوائیوں کے استعمال کو ناجائز قرار نہیں دے گا۔

بہرحال جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا ہے یہ ایسے سوالات ہیں جن کے متعلق قرآنی نظام ہی فیصلہ کن حکم دے سکتا ہے۔ افراد کی آراء شرعی فیصلہ کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتیں۔

قدرت اور فطرت میں فرق

کویت سے ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ قدرت اور فطرت میں کیا فرق ہے۔

(طلوع اسلام) قرآن میں قدرت کا لفظ کہیں نہیں آیا۔ البتہ ق د ر (مادہ اور اس سے بنے ہوئے الفاظ) اکثر آئے ہیں۔ قدر کے معنی ہوتے ہیں اندازہ یا پیمانہ۔ خدا نے ہر شے کو پیدا کیا اور اس کے استعمال (اور نتائج) کے پیمانے مقرر کر دیئے۔ اس نے یہ متعین کر دیا کہ اتنے درجہ حرارت تک پانی سیال رہیگا۔ اتنی حرارت پہنچے گی تو وہ سحاب بن جائے گا اور اتنی برودت سے وہ منجمد ہو جائیگا۔ اس نے یہ بھی مقدر کر دیا (یعنی اس کا اندازہ مقرر کر دیا) کہ اتنا پانی پیو گے تو وہ ممد حیات ہوگا لیکن اگر اتنا پانی تمہارے اندر چلا گیا تو تم دم گھٹ کر مر جاؤ گے۔ کائنات کی ہر شے کے اندازے اور پیمانے اسی طرح متعین ہیں۔ ان پیمانوں کو کوئی نہیں بدل سکتا لیکن انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس طرح چاہے ان چیزوں کا استعمال کرے اگر اس نے صحیح پیمانے کے مطابق ان کا استعمال کیا تو اس کے نتائج بھی صحیح مرتب ہوں گے اور اگر اس نے غلط پیمانے کے مطابق انہیں استعمال کیا تو اس کا نتیجہ ہلاکت اور بربادی ہوگا۔

لفظ فطرت، فطر سے ہے جس کے معنی ہیں کسی جگہ پہلے پہل کنواں کھودنا۔ اور اس سے مراد ہوتا ہے کسی چیز کو پہلی مرتبہ پیدا کرنا۔ خدا فاطر السمٰوٰت والارض ہے یعنی بدیع السمٰوٰت والارض۔ وہ اس سلسلۂ کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اس کا یہ قانونِ تخلیق، فطرت اللہ کہلاتا ہے۔ یہ لفظ سورۂ روم کی تیسویں آیت میں آیا ہے جہاں فرمایا کہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا (۳۰) خدا کا وہ قانونِ تخلیق جس کے مطابق اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ یہ ہے قرآن کی رو سے لفظ فطرت کا مفہوم۔

لیکن ہمارے ہاں (اُردو میں) جن معانی میں یہ الفاظ (قدرت اور فطرت) استعمال ہوتے ہیں وہ مذکورہ صدر معانی سے مختلف ہیں۔ ہمارے ہاں قدرت کا لفظ زور، قابو، قوت اور اختیار کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم "خدا کی قدرت" کہتے ہیں تو اس کے معنی اور بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ یعنی ایسی بات جو غیر معمولی طور پر واقع ہو۔ اور جب ہم "قدرتی" کہتے ہیں تو اس سے مطلب ایسا طریق ہوتا ہے جس میں انسانی دخل نہ ہو۔ مثلاً "قدرتی طریق"۔ اسی طرح فطرت کا لفظ بھی قرآنی مفہوم سے بالکل الگ مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً "انسانی فطرت" اس سے مراد ہوتی ہیں ایسی خصوصیات جو تمام انسانوں میں مشترک ہوں اور جن میں رد و بدل نہ ہو سکتا ہو۔ (حالانکہ انسان کی کوئی فطرت ہی نہیں ہوتی۔ اس میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو اس کی حیوانی زندگی سے متعلق اور طبعی قوانین کے تابع ہیں۔ مثلاً بھوک کے وقت کھانا۔ پیاس کے لئے پانی پینا۔ سونا۔ جاگنا۔ بیمار ہونا۔ افزائش نسل کرنا۔ وغیرہ۔ تفصیل اس نقطہ کی کہ انسان کی فطرت نہیں ہوتی۔ "سلیم کے نام خطوط" کے مجموعہ میں ملے گی۔) لیکن جب ہم قوانین فطرت کہتے ہیں تو اس سے مراد کائنات کے طبعی قوانین (LAWS OF NATURE) ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے ہاں فطرت کا لفظ نیچر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جب ہم قانونِ قدرت کہتے ہیں تو اس سے بھی مراد قانونِ فطرت ہی ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے ہم، فطرت اور قدرت کے الفاظ ایک ہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔

ناقابلِ فراموش

دہاڑی (ضلع ملتان) سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ ہر انسان کی زندگی میں کچھ واقعات اس قسم کے ہوتے ہیں جن کے نقوش اس کے ذہن میں آخر تک قائم رہتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہفتہ وار طلوع اسلام میں ایک باب یہ بھی ہونا چاہیئے جس کا عنوان ہو "ناقابلِ فراموش"۔ اس باب میں قارئین طلوع اسلام اپنی زندگی کے ناقابلِ فراموش واقعات کو اشاعت کے لئے بھیجیں۔

(طلوع اسلام) طلوع اسلام میں اس عنوان کے لئے مستقل باب تو قائم نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ قارئین اپنی زندگی کے ایسے واقعات کو اشاعت کے لئے بھیجیں جن کا تعلق دین کے کسی گوشہ سے یا انسانیت کی فلاح و بہبود کے کسی شعبہ سے ہو تو طلوع اسلام ان کی اشاعت پر ضرور غور کرے گا۔

سے قدر + علی کا یہ مفہوم ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کھلی چٹھی

واضعین آئینِ پاکستان کے نام

برادرانِ مکرم! السلام علیکم۔

پاکستان کی تحریک۔ اور اس کا حصول، تاریخ میں ایک عدیم النظیر واقعہ ہے جس میں ایک قوم یہ مطالبہ کو لے کر اٹھی تھی کہ ہمیں ایک الگ خطۂ زمین چاہیئے تاکہ ہم اس میں اپنے تصورات کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے اس تحریک کے دوران میں اپنی کچھ آرزوؤں کا اظہار کیا تھا۔ کچھ مخصوص تقاضوں کو دہرایا تھا۔ کچھ اپنے امتیازات اور خصائص پیش کئے تھے۔ ہمارے کچھ دعاوی تھے کچھ مواعید جن کی بنیادوں پر ہم نے اپنی جداگانہ مملکت کے مطالبہ کی عمارت اٹھائی تھی۔ یہ دعاوی اور تقاضے اس قسم کے تھے کہ ہم اپنا جداگانہ نظریۂ حیات رکھتے ہیں۔ ہمارا نصب العین زندگی دوسروں سے الگ ہے۔ ہماری تہذیب اور ہمارا تمدن ایک جداگانہ انداز رکھتا ہے۔ ہماری زندگی کے مقاصد دوسروں سے الگ تھلگ ہیں ہم ان کی تکمیل کے لئے ایک جداگانہ مملکت چاہتے ہیں۔ اگست ۱۹۴۷ء میں، آئینی طور پر ہمیں پاکستان مل گیا لیکن اس وقت درحقیقت ہمیں صرف ایک خطۂ زمین ملا تھا جس میں ہم نے اپنے مخصوص تصورات کے مطابق عمارت بنانی تھی۔ اس عمارت کا نام آئینِ پاکستان جس کی تعمیر کا فریضہ مجلس آئین ساز کے سپرد ہوا تھا۔

پس منظر

اس مجلس نے اس فریضہ کی تکمیل میں بہت تاخیر کر دی لیکن اس کی جو وجہ دنیا کو بتائی گئی وہ ایسی معقول تھی کہ اس کے پیش نظر یہ تاخیر قابل اعتراض نہیں رہ جاتی تھی۔ چنانچہ مملکت کے سب سے بڑے نمائندہ، محترم لیاقت علی خاں مرحوم سے جب امریکہ میں پوچھا گیا کہ پاکستان کی آئین سازی کے کام میں اس قدر دیر کیوں ہو رہی ہے تو انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہم نے بھی دنیا کی عام قوموں کی طرح آئین بنانا ہوتا تو ایسا آئین مدت ہوئی بنا لیا گیا ہوتا۔ لیکن ہم نے اسلام کی بنیادوں پر آئین بنانا ہے جس کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کی مثل اور نظیر دنیا کے تمام انسان مل کر بھی پیش نہیں کرسکتے۔ پاکستان اسلامی اصولوں کی ایک تجربہ گاہ ہے جس میں دنیا دیکھے گی کہ اسلام کا یہ دعویٰ کس قدر سچا ہے کہ تمام دنیا کی مشکلات کا حل اسی کے اندر ہے۔ آئین سازی کے کام میں تاخیر کی یہ توجیہہ بڑی معقول تھی۔ آپ سے اپنے پرائے سب مطمئن ہوگئے اور انتظار کی گھڑیاں گننے لگے کہ دیکھیں یہ مملکت کونسا آئین پیش کرتی ہے۔ جس کی مثل اور نظیر دنیا میں کہیں نہیں مل سکے گی۔ لیکن اس آئین کو نہ بننا تھا نہ وہ بنا۔ جو کچھ اس کے متعلق باہر آ رہا اسے دیکھ کر ہنسی بھی آتی تھی اور افسوس بھی۔ ہنسی اس لئے کہ ان حضرات کے دعاوی کیا ہیں اور یہ کر کیا رہے ہیں اور افسوس اس لئے کہ اس آئین کو دیکھ کر دنیا اس اسلام کے متعلق کیا اندازہ لگائے گی جس کے بے مثل اور بے نظیر ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ یہ تو یوں کہیئے کہ کچھ قدرت ہی کو یہ منظور تھا کہ ہمیں اس جگ ہنسائی اور خود اپنی تباہی سے بچا لیا جائے جو وہ آئین ساز اسمبلی ہی ختم ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی اس کا زیر تدوین آئین بھی فترбود ہوگیا۔ ورنہ اگر وہ آئین ملک میں نافذ ہو جاتا تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہماری حالت بھی ایسی ہی ہو جاتی جیسی دوسرے اسلامی ممالک کی ہے۔

مجلس آئین ساز کے ٹوٹ جانے سے ہمیں قدرت کی طرف سے ایک اور موقعہ مل گیا ہے کہ ہم پاکستان کے آئین کو صحیح اسلامی خطوط کے مطابق مرتب کرلیں۔ کہا جاتا ہے کہ اب تجویز یہ ہے کہ اس آئین کا خاکہ حکومت کی طرف سے مرتب کیا جائے گا اور وہ خاکہ آئندہ انتخابات کا منشور قرار پائے گا۔ جو پارٹی اس خاکہ کے مطابق برسر اقتدار آسکے گی وہ اس کی جزئیات مرتب کر کے اسے آئینِ پاکستان کی حیثیت دیدے گی۔

ہمیں معلوم نہیں کہ اس خاکے مرتب کرنے کا کام کن حضرات کے سپرد ہوا ہے۔ اگر ہمیں اس کا علم ہوتا تو ہم ان حضرات کی خدمت میں اپنی گزارشات انفرادی طور پر پیش کرتے۔ لیکن اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ ہم ان کی خدمت میں یہ کھلی چٹھی پیش کر کے ان کی توجہ ضروری امور کی طرف منعطف کرائیں۔ اس چٹھی میں ہمارا تخاطب انہی حضرات سے ہے۔

مملکت پاکستان نے اپنے آئین کی بنیاد اس دعوے پر رکھی ہے کہ اس کی رو سے مسلمانانِ پاکستان قرآن اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ طلوع اسلام کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو بتایا جائے کہ ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مختلف گوشوں کے متعلق قرآن کیا راہنمائی دیتا ہے۔ چونکہ رسول اللہ کی سنت قرآن کے خلاف نہیں تھی اس لئے جب قرآنی راہ نمائی کا ذکر آئے گا تو سنت خود بخود اس کے اندر آ جائے گی۔ قرآن سے باہر حتمی اور یقینی سنت رسول اللہ کہیں نہیں مل سکتی۔ اس مقصد کے پیش نظر وہ اپنا فریضہ سمجھتا ہے کہ آپ کو کم از کم اتنا بتا دے کہ سابقہ مجلس آئین ساز نے جو کچھ مرتب کیا تھا وہ کس کس مقام پر قرآن کے خلاف جاتا تھا۔ ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ ان معروضات پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کریں اور اگر آپ اس سے متفق ہوں کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ فی الواقعہ قرآن کے مطابق ہے تو آپ اس آئین میں اس قسم کے اسقام نہ رہنے دیں جو آپ کے زیر ترتیب ہے۔ واضح رہے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ کوئی مملکت اس دعوے کو لے کر اپنا آئین بنانے بیٹھی ہے کہ وہ آئین کتاب اللہ کے خلاف نہیں جائے گا۔ آپ سوچیئے کہ اس باب میں آپ حضرات پر کتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر آپ کا خدا پر ایمان ہے (اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے یقیناً آپ کا ایمان ہے) تو اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس آئین کے ایک ایک لفظ کے متعلق خدا کے حضور آپ سے بازپرس ہوگی اور پوچھا جائے گا کہ جب تم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ آئین قرآن کے خلاف نہیں ہوگا تو تم نے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کیا کیا تھا۔ بہر حال ذیل کی سطور میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ بتایا جائے کہ آئین سازی کے متعلق جو کچھ اس سے پہلے ہوا تھا وہ کس حد تک قرآن کے خلاف جاتا تھا وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

مجوزہ آئین کی بنیاد قرارداد مقاصد تصور کی جاتی ہے۔ آپ یہ سن کر کے شاید متعجب ہوں گے کہ اس قرارداد کی بنیاد ہی قرآن کے خلاف ہے۔ اس قرارداد کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

قراردادِ مقاصد

تمام کائنات پر اقتدار اعلیٰ (sovereignty) صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس نے جو اختیارات ملت پاکستان کی وساطت سے مملکت پاکستان کو تفویض (Delegate) کئے ہیں وہ ایک مقدس امانت ہیں جنہیں خدا کی متعین کردہ حدود کے اندر استعمال کیا جائے گا۔

اس سے واضح ہے کہ تمام کائنات میں (SOVEREIGNTY) صرف خدا کی ہے اور چونکہ کائنات میں پاکستان بھی شامل ہے اس لئے مملکت پاکستان کی (SOVEREIGN POWER) بھی خدا ہی کی ذات ہے۔ لیکن قرارداد مقاصد کا اگلا ٹکڑا یہ ہے کہ

> یہ دستور ساز اسمبلی جو ملت پاکستانیہ کی نمائندہ جماعت ہے فیصلہ کرتی ہے کہ وہ پاکستان کی آزاد اور (sovereign state) کے لئے دستور مدون کرے۔

آپ نے غور کیا کہ ان دونوں باتوں میں کس قدر کھلا ہوا تضاد ہے یعنی (SOVEREIGNTY) خدا کی بھی ہے اور مملکت پاکستان کی بھی۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ خدا نے اپنے اختیارات ملت پاکستانیہ کی وساطت سے مملکت پاکستان کو تفویض کر دیئے ہیں تو یہ چیز خود خدا کے متعلق بڑے غلط تصور کو پیش کرتی ہے۔ خدا اپنے اختیارات کسی کو تفویض نہیں کیا کرتا۔ اس عقیدہ نے عیسائیوں کے ہاں جنم لیا تھا جنہوں نے تھیاکریسی کی بنیاد ڈالی تھی۔ یعنی یہ عقیدہ کہ خدا نے اپنے اختیارات مذہبی پیشواؤں یا بادشاہوں کو تفویض کر دیئے ہیں اور یہ لوگ اب خدا کے نائبین کی حیثیت سے لوگوں پر حکومت کرتے ہیں، عیسائیت کی تھیاکریسی کی پیداوار ہے۔ قرآن نے اس عقیدہ کی تردید کی ہے۔ اس کی رو سے خدا کا کوئی نائب نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اپنے اختیارات کسی کو تفویض کرتا ہے۔ قرآن کی رو سے صحیح پوزیشن یہ ہے کہ خدا نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے کچھ غیر متبدل اصول وحی کی رو سے عطا کئے ہیں جو قرآن کے اندر محفوظ ہیں جو قوم ان اصولوں کے مطابق اپنا معاشرہ متشکل کرتی ہے وہ خدا کی اطاعت کرتی ہے اور اس کے خوشگوار نتائج سے متمتع ہو جاتی ہے۔

ضرورت ہے کہ قرارداد مقاصد کی اس شق کو بدل کر قرآن کے مطابق کر لیا جائے کیونکہ یہ شق

قرآن کی بنیادی تعلیم کے خلاف جاتی ہے۔

ڈیموکریسی

قرارداد مقاصد میں یہ بھی لکھا ہے کہ پاکستان ایک "ڈیماکریٹک اسٹیٹ" ہوگی۔ ڈیماکریسی ہمارے دور کی ایک سیاسی اصطلاح ہے جس سے مفہوم یہ ہے کہ آئین و قوانین کے معاملہ میں آخری اتھارٹی قوم کے افراد ہوتے ہیں اور ان کے اوپر کوئی اور اتھارٹی نہیں ہوتی۔ لیکن قرآن کی رُو سے مملکت کے افراد صرف ان حدود کے اندر اپنے اختیارات کا استعمال کر سکتے ہیں جو قرآن نے متعین کی ہیں۔ مثلاً اگر کسی مجلس قانون ساز کے ننانوے افراد اس بات کے حق میں ہوں کہ شراب جائز ہے اور صرف ایک ووٹ یہ کہے کہ شراب کا استعمال ناجائز ہے تو ڈیموکریسی کے ... اصول کے مطابق اس اکثریت کا فیصلہ قانون بن جائے گا۔ لیکن قرآن کی رُو سے اس اکیلے ووٹ کا فیصلہ قانون ہوگا نہ کہ ننانوے کی اکثریت کا فیصلہ۔ لہٰذا ایک صحیح اسلامی مملکت کو آجکل کی اصطلاح میں ڈیموکریٹک نہیں کہا جا سکتا۔

فیڈریشن

قرارداد مقاصد میں بھی یہ چیز موجود ہے اور سابقہ آئین انہی خطوط پر مرتب ہو رہا تھا کہ مملکت پاکستان میں فیڈریشن کے انداز کی حکومت قائم ہوگی۔ فیڈریشن کے معنی یہ ہیں کہ مختلف صوبے جنہیں اس حکومت کے یونٹ کہا جائے گا اپنی اپنی جگہ آزاد ہوں گے اور مرکز کے اختیارات انہی شعبوں تک محدود ہوں گے جو آئین کی رُو سے مرکز کو تفویض کئے جائیں گے۔

جب تک مغربی پاکستان مختلف صوبوں میں بٹا ہوا تھا اس وقت تک فیڈریشن کا مفہوم یہ تھا کہ یہ مختلف صوبے اپنے اندرونی نظم و نسق کے اعتبار سے آزاد ہوں گے لیکن اب جبکہ مغربی پاکستان سے صوبوں کی تفریق کی لعنت ختم ہو چکی ہے، فیڈریشن کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا۔ اب مغربی پاکستان ایک وحدت ہے اور مشرقی پاکستان دوسری وحدت۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں وحدتوں میں کس قسم کا تعلق ہونا چاہیئے۔

قرآن اپنے بلند ترین نصب العین کے پیش نظر تمام نوع انسانی کو ایک وحدت تسلیم کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ انسانوں کی تقسیم صرف اس معیار کے مطابق کرتا ہے کہ جو لوگ خدا کی طرف سے متعین کردہ مستقل اقدار کو اپنا نصب العین قرار دیں وہ ایک قوم کے فرد ہیں اور جو اس کے خلاف جائیں وہ دوسرے گروہ سے متعلق ہیں۔ یہی وہ بنیاد ہے جس کی رو سے تمام دنیا کے مسلمان ایک ملّت کے افراد بنتے ہیں۔ یہی وہ دعوٰے تھا جس پر ہم نے پاکستان کے مطالبہ کی عمارت اٹھائی تھی۔ یعنی یہ کہ تمام ہندوستان میں بسنے والے مسلمان ایک قوم ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر پاکستان میں وحدانی (یونی ٹری) نظام حکومت قائم ہونا چاہیئے تھا لیکن انتظامی مشکلات نیز اس فضا کے پیش نظر جو بدقسمتی سے ملک میں پیدا کر دی گئی تھی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کو دو وحدتیں تسلیم کرنا بہ حالات موجودہ ناگزیر ہو چکا ہے۔ ان حالات میں بہترین انداز حکومت یہ ہوگا کہ ان دونوں وحدتوں میں کانفیڈریسی قائم کر دی جائے۔ ہم اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔ لیکن یقین مانیئے کہ بحالات موجودہ ملت کی وحدت، نظم و نسق کی خوبی، عوام کی بہبودی اور مملکت پاکستان کے استحکام کے لئے اس سے بہتر کوئی نظام نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ مغربی پاکستان کی پارلیمان یا ملازمتوں میں ان صوبوں کی نیابت اور تناسب کا کوئی سوال نہ اٹھایا جائے جنہیں ختم کر کے اس خطہ کو ایک وحدت بنایا گیا ہے۔ اگر ایک وحدت میں بھی ان "سانپوں کی لکیروں" کو باقی رکھا گیا تو پھر یہ وحدت محض نام کی وحدت ہوگی۔ فی الحقیقت وحدت نہیں ہوگی۔

غیر مسلم اراکین

سابقہ (زیر تدوین) دستور میں غیر مسلموں کے لئے مجلس قوانین ساز میں نشستیں مخصوص کی گئی تھیں۔ اس کے معنی یہ تھے کہ وہ مملکت کی قانون سازی کے کاموں میں برابر کے شریک ہوں گے۔

آپ غور کیجیئے کہ آپ نے مملکت کی بنیاد آئیڈیالوجی پر رکھی ہے اور اپنے آئین کی پہلی شق یہ قرار دی ہے کہ مملکت میں کوئی بات قرآن اور سنت کے خلاف نہیں ہوگی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جب آپ کے معاملات قرآن اور سنت کی رُو سے طے ہوتے ہیں تو اس میں غیر مسلموں کے مشورہ اور آراء کے لئے کونسی گنجائش ہے؟ کیا یہ ہندو ممبر آپ کو بتائیں گے کہ فلاں معاملہ میں قرآن کا منشاء کیا ہے اور سنت کی تعبیر کیا؟ یقیناً یہ اس قابل تو نہیں ہوں گے کہ اتنا بتا سکیں لیکن اکثر معاملات میں ان کی آراء فیصلہ کن حیثیت اختیار کر جایا کریں گی۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنے معاملات کے لئے صرف آپس میں مشورہ کیا کرو۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا تھا کہ آپ کی سابقہ مجلس آئین ساز کے ہندو ممبر گذشتہ نومبر میں یہ کہہ کر مجلس کے اجلاس سے اٹھ کر چل دیئے تھے کہ آپ اس اسٹیٹ کو اسلامک اسٹیٹ کیوں کہہ رہے ہیں اور اس کے بعد اس مجلس کا مسلسل بائیکاٹ کئے رہے اور جب آخری دنوں شریک اجلاس ہوئے تو ان سب نے متفقہ طور پر بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ کے خلاف ووٹ دیا۔

اسلام اپنے نظام میں بسنے والے غیر مسلموں کو ان کی جان، مال، عزت، مذہب کی حفاظت کی پوری پوری ضمانت دیتا ہے اور ان کی پرورش اور نشو و نما کا ذمہ لیتا ہے لیکن (وہ چونکہ اس کی آئیڈیالوجی پر یقین نہیں رکھتے، اس لئے) وہ انہیں شریک حکم نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ایک اسلامی مملکت کی مجالس قوانین ساز میں غیر مسلم شریک نہیں ہو سکتے۔ آپ اس خیال سے نہ گھبرایئے کہ دنیا اسے تنگ نظری پر محمول کرے گی۔ یہ تنگ نظری نہیں اصول پرستی ہے۔ جو مملکت بھی آئیڈیالوجی کی بنا پر قائم ہوگی وہ ان لوگوں کو کبھی شریک حکم نہیں کر سکے گی، جو اس آئیڈیالوجی میں یقین نہیں رکھتے۔ یاد رکھیئے مسلمان اپنے دین کی بنا پر ایک قوم بنتے ہیں۔ غیر مسلم اس قوم کے افراد نہیں ہو سکتے۔ غیر مسلم، پاکستان کی قوم نہیں ہیں۔ پاکستانی نیشن صرف مسلمان ہیں۔ غیر مسلم ان کی حفاظت میں بسنے والی اقلیت ہیں۔ یہی ان کی صحیح پوزیشن ہے جس کے متعلق نہ انہیں کسی غلط فہمی میں رہنا چاہیئے اور نہ مسلمانوں کو۔

سُنّت کا مفہوم

سابقہ آئین میں یہ کہا گیا تھا کہ ملک میں کوئی قانون ایسا رائج نہیں کیا جائے گا جو قرآن اور سنت کے خلاف ہو۔ قرآن کے متعلق تو ایک غیر مسلم بھی جانتا ہے کہ وہ ایک کتاب کا نام ہے جس کے کسی نسخہ میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور ساری دنیا کے مسلمان اسی ایک کتاب کو قرآن کہتے اور اسے کتاب اللہ مانتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا "سُنّت" بھی کسی اسی قسم کی کتاب کا نام ہے؟ اگر یہ کسی کتاب کا نام ہے تو اس کی وضاحت کرنی چاہیئے اور اگر کسی کتاب کا نام نہیں تو بتانا چاہیئے کہ سُنّت سے مفہوم کیا ہے اور وہ کہاں سے ملے گی۔

اس آئین میں یہ بھی لکھا تھا کہ کتاب و سنت کی تعبیر ہر فرقہ کے لئے اپنی اپنی ہوگی قطع نظر اس کے کہ فرقوں کا وجود جسے قرآن بنصّ صریح شرک قرار دیتا ہے انہیں اسلامی آئین میں بطور مسلّمات کے تسلیم کر دیا گیا تھا، یہ امر قابل غور ہے کہ اگر ہر فرقہ کے لئے الگ الگ قانون ہوگا تو پھر مملکت پاکستان کے لئے بہ حیثیت مجموعی کونسا قانون نافذ ہوگا۔

یہ کہہ دیا جائے گا کہ یہ چیز صرف پرسنل لاء سے متعلق ہے۔ واضح رہے کہ خود پرسنل لاء اور غیر پرسنل لاء کی تفریق بھی غیر اسلامی ہے۔ جب انگریز یہاں آیا تو اس نے ملک کا انتظام اپنے قانون کے مطابق چلایا اور لوگوں کو اس کی اجازت دیدی کہ وہ نکاح طلاق وغیرہ کے معاملات اپنے اپنے مذہب کی رُو سے طے کر لیا کریں۔ اس کا نام اس نے پرسنل لاء رکھا تھا۔ لیکن اسلام کی رُو سے امور مملکت اور لوگوں کے نجی امور میں کوئی فرق ہی نہیں۔ لہٰذا اسلامی مملکت میں شخصی، اور غیر شخصی قانون کی تفریق کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اصل یہ ہے کہ ہمارے آئین ساز حضرات جس کشمکش میں مبتلا تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے سامنے قرآنی نظام کا صحیح تصور نہیں تھا۔ قرآن نے (بجز چند احکام کے) زندگی کے مختلف امور کے متعلق صرف بنیادی اصول دیئے ہیں اور اس کے بعد اجازت دی ہے کہ ہر دور کی ملت اسلامیہ اپنے اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ان اصولوں کی روشنی میں خود قانون وضع کرے۔ یہ اسلامی قوانین کہلاتے ہیں جن کا نفاذ ہر مسلمان پر یکساں ہوتا ہے۔ اور ذاتی اور اجتماعی تمام معاملات ان کے تابع رہتے ہیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

سابقہ آئین میں یہ بھی لکھا تھا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے ایک ادارہ قائم کیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جن حضرات نے یہ شق مرتب کی تھی وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا صحیح مفہوم نہیں سمجھتے تھے۔ ایک اسلامی مملکت جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتی ہے انھیں معروف کہا جاتا ہے اور جن سے روکتی ہے انھیں منکر۔ حکومت کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی اجرا

(EXECUTIVE) کے ذریعہ لوگوں سے اوّل الذکر کاموں کو کرائے اور انہیں ثانی الذکر کاموں سے روکے۔ بالفاظ دیگر معروف اور منکر حکومت کے آئین وضوابط ہی کا نام ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے کسی الگ ادارہ کا قائم کرنا بالکل بے معنی ہے۔ واضعین آئین کے ذہن میں غالباً یہ تھا کہ یہ کام وعظوں کے ذریعہ سے کرایا جائے گا۔ یہ تصور قرآن کے خلاف ہے۔

مالیات

سابقہ آئین میں ایک شق یہ بھی تھی کہ پچیس سال کے عرصہ تک مملکت کے مالیات کتاب وسنت کی حدود سے باہر رہیں گے۔ قرآن نے منکرین ومشرکین کے متعلق متعدد مقامات پر کہا ہے کہ یہ لوگ اس بات کو تو بڑی خوشی سے مان لیں گے کہ کائنات میں اقتدارِ اعلیٰ خدا ہی کا ہے لیکن جب ان سے کہا جائے گا کہ اس خدا کا اقتدار اپنے معاشی معاملات میں بھی تسلیم کرو تو یہ اس سے بھاگیں گے۔ حیرت ہے کہ قرآن نے جس چیز کو منکرین اور مشرکین کی روش بتایا تھا، دنیا میں سب سے بڑی اسلامی مملکت کے مسلمان واضعین قوانین اس عقیدہ کو آئینی سند عطا کر رہے تھے کہ پاکستان کے مسلمان کم از کم پچیس سال تک خارجی کائنات میں تو خدا کے اقتدار کو مانیں گے لیکن اپنے معاشی معاملات میں اس اقتدار کو تسلیم نہیں کریں گے۔

ان حضرات کی دشواری کی غالباً وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ جن چیزوں کو اسلامی شریعت کہا جاتا ہے اگر انہیں مالیات پر نافذ کر دیا گیا تو دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق مملکت ایک دن کے لئے بھی چل نہیں سکے گی۔ ان کی یہ پریشانی بجا تھی لیکن ان کی بنیادی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کے مروجہ شرعی قوانین کو قرآنی قوانین سمجھ لیا تھا۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، قرآنی قوانین کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں آپ اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اپنے قوانین خود وضع کریں۔ اگر آپ کے سامنے معاشیات کے متعلق قرآن کے اصول ہوتے تو آپ دیکھتے کہ ان کی رُو سے مملکت پاکستان کس طرح اقوامِ عالم کی نہ صرف صفِ اوّل میں کھڑی ہو جاتی ہے بلکہ ان کی امامت کی مستحق بھی بن جاتی ہے۔ قرآن نے معاشیات کے متعلق وہ اصول دیئے ہیں جو ان تمام مشکلات کا حل پیش کر دیتے ہیں جن میں دنیا آج اس بُری طرح سے گرفتار ہے۔ وہ مغرب کی سرمایہ داری اور روس کی اشتراکیت، دونوں کی تردید کرتا ہوا ان دونوں سے آگے نکل جاتا ہے اور ایک ایسا معاشی نظام دیتا ہے جس میں ہر فرد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بھی پوری ہوتی رہتی ہیں اور اس کی شخصیت (personality) اور انفرادیت (Individuality) کی بھی تکمیل ہو جاتی ہے۔

اگر آپ حضرات اس کی ضرورت محسوس کریں تو طلوعِ اسلام آپ کے سامنے ان اصولوں کو پیش کر سکتا ہے۔

بنیادی حقوق

(۱) سابقہ واضعین آئین نے "بنیادی حقوق" کی بھی ایک فہرست مرتب کی تھی۔ لیکن اس فہرست میں وہ بنیادی حق کہیں نظر نہیں آتا تھا جو قرآنی نظام میں مملکت کا سب سے پہلا فریضہ اور فرد کا سب سے پہلا حق ہے۔ یعنی ایک اسلامی مملکت کی حدود میں بسنے والے ہر فرد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری مملکت پر ہوتی ہے۔ ان بنیادی ضروریات میں انسان کی صرف جسمانی نشوونما ہی شامل نہیں ہوتی بلکہ اس کی تمام مضمر صلاحیتوں کی نشوونما بھی شامل ہوتی ہے۔ یاد رکھئے جو مملکت اپنے افراد کو یہ بنیادی حق عطا نہیں کرتی وہ اسلامی مملکت نہیں ہو سکتی۔

(۲) ایک اسلامی مملکت میں ہر فرد کا دوسرا بنیادی حق یہ ہے کہ وہ عدل وانصاف کو بلاقیمت اور بغیر کسی قسم کے خرچ کے حاصل کر سکے۔ ہمارے آئین میں یہ حق بھی دیا جانا چاہیئے۔

(۳) سابقہ آئین سازوں نے یہ بھی تجویز کیا تھا کہ کسی شخص سے مفادِ عامہ کے لئے کوئی جائیداد بلا معاوضہ حاصل نہیں کی جائے گی۔ واضح رہے کہ قرآن کی رُو سے زمین (یعنی رزق کے سرچشمے) پر ذاتی ملکیت جائز ہی نہیں۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے مملکت اس کی ذمہ دار ہوتی ہے کہ تمام افراد کی ضروریاتِ زندگی کو بہم پہنچائے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وسائلِ پیداوار مملکت کی تحویل میں رہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہم اپنی موجودہ حالت سے قرآن کے اس منتہا تک آہستہ آہستہ اور بتدریج ہی پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے آئین میں اس منتہا کی وضاحت بھی ہونی چاہیئے اور اس تک بتدریج پہنچنے کے طریقوں کی صراحت بھی۔

(۴) بنیادی حقوق میں ایک شق یہ بھی تھی کہ اقلیتوں کے لئے یا پسماندہ طبقہ کے لئے ملازمتوں میں نامزدگی اور نیابت کے اصول کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

جہاں تک (غیر مسلم) اقلیتوں کا تعلق ہے، یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ وہ ہماری مجالس آئین وقوانین ساز کے رکن نہیں بن سکتے۔ لہٰذا ان کے لئے مخصوص نشستوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب رہا ملازمتوں کا سوال۔ سو ملازمتوں میں مقابلہ اور قابلیت کے معیار کو چھوڑ کر نامزدگی کے اصول کو اختیار کرنا نظم ونسق کی مشینری کو تباہ کر دینے کے مترادف ہے۔ حکومت پاکستان نے ملازمتوں میں صوبائی تناسب کا اصول قائم کر رکھا ہے۔ اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ عملاً اس کا نتیجہ کیا ہوا ہے تو آپ سنٹرل سکرٹریٹ کے کسی دفتر میں چلے جایئے اور بلا کسی امتیاز اور تخصیص کے ان ملازمین کو بلا لیجئے جو صوبائی تناسب کی رو سے بھرتی ہوئے ہیں اور پھر خود اندازہ لگا لیجئے کہ وہ کس قابلیت کے لوگ ہیں۔ آپ سوچئے کہ اگر حکومت کی مشینری اسی قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں دے دی جائے تو مملکت کے نظم ونسق کا کیا حشر ہو گا۔ اتنا ہی نہیں کہ یہ لوگ ناقابل ہوتے ہیں بلکہ یہ اپنا فریضہ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس طبقہ یا علاقہ کے مفاد کا تحفظ کریں جہاں سے وہ خود آئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ دفتروں کے اندر صوبائی پارٹیاں بنی ہوئی ہیں جن میں دن بدن کشیدگی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ اس صورتِ حالات کو جلد از جلد ختم کیا جائے

(۵) اس مقام پر ہم ایک مثال کے ذریعہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ سابقہ مسودہ آئین کس انداز سے مرتب ہو رہا تھا۔ اس آئین کے شروع میں کہا گیا تھا کہ کوئی چیز قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہو گی۔ لیکن بنیادی حقوق میں یہ شق موجود تھی کہ کسی شخص کو غلام نہیں بنایا جا سکے گا۔ یہ شق قرآن کے تو عین مطابق تھی لیکن حدیثوں کے خلاف تھی۔ حدیثوں کی رو سے جنگ کے قیدیوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنانے کی اجازت ہے۔ لہٰذا اس آئین کی یہ شق سنت کی اس اجازت کے خلاف جاتی تھی۔ واضعین آئین نے یہ سوچا ہی نہ تھا کہ یہ دو متضاد باتیں آئین میں کس طرح رکھی جا سکیں گی یا تو انہیں شروع میں یہ کہنا چاہیئے تھا کہ کوئی قانون ایسا نہیں بنایا جائے گا جو قرآن کے خلاف ہو۔ اس صورت میں یہ کہنا درست ہوتا کہ کسی شخص کو غلام نہیں بنایا جا سکے گا لیکن اگر وہاں قرآن کے ساتھ سنت کو بھی شامل کر لیا تھا تو پھر یہ کہنا کہ کسی شخص کو غلام نہیں بنایا جائے گا اس اصول کے خلاف تھا۔ اس قسم کے وہ مقامات تھے جن میں مُلّا کو یہ کہنے کا موقع ملتا تھا کہ آئین (غیر شرعی) بن رہا ہے۔ چنانچہ جماعت اسلامی کے امیر سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی نے اس موضوع پر خاصی بحث کی تھی اور کہا تھا کہ سنت کی رُو سے اسلام میں غلامی جائز ہے اور اسے روکنا سنت کے خلاف ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے ادارہ طلوعِ اسلام کی طرف سے شائع کردہ کتاب "تین اہم عنوانات")

اصولِ ہدایت

(۱) اس آئین میں چند اصول بطور ہدایت درج کئے گئے تھے آپ یہ دیکھئے کہ کسی ضابطۂ آئین میں اصولِ ہدایت کی پوزیشن کیا ہوتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اصولِ ہدایت آئین یا قانون کی حیثیت اختیار نہیں کرتے اس لئے ان کی حیثیت اخلاقی مواعظ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ صاف بات یہ ہے کہ اس قسم کے اصولوں کو یا تو آئینی حیثیت دینی چاہیئے یا ان کو درج ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ اس قسم کی باتیں ایک پولیٹیکل پارٹی اپنے مینی فسٹو میں شائع کیا کرتی ہے تاکہ اس سے پروپیگنڈے کا کام لیا جائے۔

(۲) اس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ زکوٰۃ، اوقاف اور مساجد کی تنظیم کی جائے۔ واضح رہے کہ قرآن کی رُو سے زکوٰۃ وہ اڑھائی فی صدی رقم نہیں جسے ہم آجکل ادا کرتے ہیں۔ قرآن کی رُو سے وہ سامانِ نشوونما جسے مملکتِ اسلامیہ افراد کے لئے مہیا کرتی ہے زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کوئی ایسی الگ چیز نہیں جس کی تنظیم اس طرح کی جائے۔ ایک اسلامی حکومت کی ساری آمدنی جسے وہ افراد کی نشوونما کے لئے خرچ کرے زکوٰۃ ہے۔

اوقاف کی دینی حیثیت کچھ نہیں۔ قرآن اس کی اجازت نہیں دیتا کہ مردوں کا حکم زندہ انسانوں پر چلے۔

باقی رہیں مساجد سو وہ اسلامی معاشرہ کی چھوٹی چھوٹی وحدتیں ہیں جن کی تنظیم مملکت کے بنیادی فرائض میں سے ہے۔ لہٰذا اسے آئین کا بنیادی جزو ہونا چاہیئے۔

(۳) ایک شق میں یہ لکھا تھا کہ مملکت کو کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ عصمت فروشی، قمار بازی اور مسکرات کے استعمال کو ممنوع قرار دے۔

"کوشش کرنی چاہیئے" سے کیا مطلب؟ ان چیزوں کو فوراً بند کر دینا چاہیئے اور نہ صرف انہی چیزوں کو بلکہ ان تمام باتوں کو جنہیں قرآن نے ممنوع قرار دیا ہے۔ ایک اسلامی مملکت کا تو وجود ہی

اس لئے ہوتا ہے کہ وہ ان تمام باتوں کو قانوناً بند کرے جنہیں قرآن نے ناجائز قرار دیا ہے۔

(۴) ایک شق میں یہ لکھا تھا کہ جب بھی ممکن ہو ربو کو بند کر دیا جائے۔

کس قدر افسوسناک تھی یہ شق! ربو جسے قرآن نصِ صریح حرام قرار دیتا ہے اسے آئین میں نہیں بلکہ محض اصولِ ہدایت میں رکھ دیا گیا تھا اور اس کے متعلق کہا صرف یہ گیا تھا کہ مملکت کوشش کرے کہ جب بھی ممکن ہو اسے بند کر دیا جائے۔

لیکن آئین میں تو یہ لکھا تھا کہ مالی معاملات پچیس سال تک قرآن و سنت کی حدود سے باہر رہیں گے۔ لہٰذا اس شق کی رُو سے کم از کم پچیس سال تک ربو کو چھوا نہیں جا سکتا تھا۔

(۵) ایک شق میں یہ لکھا تھا کہ مملکت یہ کوشش کرے گی کہ قبائلی، نسلی، صوبائی اور فرقہ وارانہ تعصبات کی حوصلہ شکنی کرے۔

(۶) جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے قرآن کی رُو سے اس قسم کی فرقہ وارانہ تقسیم شرک کے مرادف ہے اس لئے حکومت کا اولین فریضہ یہ ہونا چاہیئے کہ ان چیزوں کو آئینی طور پر بند کرے۔

لیکن تماشا یہ کہ اصولِ ہدایت میں تو یہ کچھ کہا جا رہا تھا اور خود آئین کے اندر وہ چیزیں موجود تھیں جن سے اس قسم کی فرقہ وارانہ تفریق و تقسیم کی گرہیں اور زیادہ کس جائیں۔ مثلاً مشرقی اور مغربی خطوں کی تخصیص۔ مغربی خطہ میں مختلف صوبوں کا وجود اور ان کی الگ الگ حکومتیں۔ مرکزی مجالس میں صوبائی تناسب۔ ملازمتوں میں پسماندہ طبقات کی نامزدگی۔ پرسنل لاء میں مختلف فرقوں کی قرآن و سنت کی اپنی اپنی تعبیر وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام باتیں آئین کے اندر موجود تھیں اور اصولِ ہدایت میں وعظاً یہ کہا گیا تھا کہ اس امر کی کوشش کی جائے کہ یہ تفریق مٹ جائے۔

پارلیمان

آئین میں تجویز کیا گیا تھا کہ مرکز میں دو ایوان ہوں گے۔ ایک جمہور کے نمائندگان کا ایوان اور دوسرا صوبائی مجالس کی نمائندگی کا ایوان۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان دو ایوانات کی کیا ضرورت تھی۔ ذرا غور کیجئے کہ اس طرح اس نوزائیدہ مملکت کی حکومت کی مشینری کس قدر بوجھل ہو جاتی۔ ہر صوبہ میں ایک ایک پارلیمان، وزراء، وزیر اعظم اور گورنر۔ مرکز میں تین سو اراکین پر مشتمل جمہور کا ایوان اور پچاس اراکین پر مشتمل ایوانِ بالا۔ پھر وزراء، وزیر اعظم اور صدرِ مملکت۔ یہ سب کچھ محض اس لئے کہ باقی ملکوں میں ایسا ہوتا ہے۔ باقی ملکوں کے پاس فراواں دولت ہے۔ وہ اس قسم کی "سیاسی عیاشیوں" کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ ہمارا ملک غریب ہے۔ یہاں جو روپیہ اتنی بھاری مشینری پر صرف کیا جائے وہ عوام کی بہبودی میں صرف ہونا چاہیئے۔ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ مغربی پاکستان کی وحدت میں ایک سو افراد پر مشتمل ایک ایوان مرتب کر لیجئے۔ اسی طرح مشرقی پاکستان میں کر لیجئے۔ ان دونوں میں کنفیڈریشن کا رابطہ پیدا کر لیجئے۔ تعداد کے بڑھا لینے سے نظام بہتر نہیں ہو جایا کرتا۔ اس کا انحصار افراد کی قابلیت پر ہوتا ہے۔

حقِ رائے دہندگی و رکنیت

رائے دہندگی کے لئے صرف بالغ ہونا اور رکنیت کے لئے کسی زبان میں معمولی نوشت و خواند کافی سمجھی گئی تھی۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ ہمارے ہاں ان پڑھ دولتمندوں کا طبقہ زیادہ ہے۔ اور وہ لوگ اپنی دولت کے زور پر اسمبلیوں میں آ جاتے ہیں اور ایوان کی ٹھنڈی فضا میں بیٹھے اونگھتے رہتے ہیں۔ قرآن نے صاحبِ امر ہونے کے لئے علم اور صحت دونوں کی فراوانی کو ضروری قرار دیا ہے۔ اُس نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ بے علم کبھی صاحبِ علم کے برابر نہیں ہو سکتا اس لئے ضروری ہے کہ ووٹر بھی تعلیم یافتہ ہوں اور امیدوار بھی تعلیم یافتہ۔ ہمارے نزدیک ووٹر کے لئے کم از کم میٹرک کی شرط اور امیدوار کے لئے گریجویٹ کی شرط ضروری ہونی چاہیئے۔

حلف نامہ

آئین میں یہ چیز بھی درج تھی کہ اراکین اور عہدہ داروں کو ایک حلف لینا ہو گا۔ حلف کی رسم غیر اسلامی ہے اور دوسروں سے مستعار لی ہوئی۔ مسلمان کے لئے اپنی ذمہ داریوں کا اقرار اور اعلان ہی کافی ہے۔

صدر کے اختیارات

ایک تجویز یہ بھی تھی کہ جب کسی بل کو ہر دو ایوانات منظور کر لیں اور وہ دوسری مرتبہ صدر کے سامنے پیش ہو تو صدر کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ اس بل پر صاد کرے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر صدرِ مملکت کے اختیارات صرف اتنے ہی رہتے ہیں تو اس تکلف کی ضرورت کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم مغرب کے اندازِ سیاست سے کچھ اس طرح مرعوب ہو چکے ہیں کہ ہم میں ان سے ہٹ کر سوچنے کی ذرا بھی صلاحیت نہیں رہی۔ حالانکہ وہاں کی جمہوریت اور اسلامی نظام میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ جمہوریت ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہوتی ہے اور ہر معاملہ کے فیصلہ کے لئے اختیارِ مطلق رکھتی ہے۔ اسلامی نظام میں مجلسِ شاورت قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی حدود کے اندر گھری ہوتی ہے اور ان کا امیر سب سے پہلے ان اصولوں کی پابندی خود کرتا ہے۔ وہ سیرت اور کردار کے لحاظ سے ملت کا بہترین فرد ہوتا ہے۔ اس لئے ملت اس پر پورا پورا بھروسہ رکھتی ہے۔ بنا بریں یہ چیز قرآنی منشاء کے زیادہ قریب ہو گی، اگر صدرِ مملکت کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں۔ واضح رہے کہ قرآن نے کہیں یہ نہیں کہا کہ ایک آدمی کا فیصلہ ہر حالت میں نافذ ہو گا۔ نیز جب آپ کی پارلیمان صدر کو برطرف کرنے کی بھی مجاز ہو گی تو پھر صدر کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دینے میں کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے؟

عدلیہ

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے آئین میں یہ درج ہونا چاہیئے کہ عدل کا حصول بلا معاوضہ ہو گا اور وہ عدالتوں تک (جن میں عدالتِ عالیہ بھی شامل ہے) حصولِ عدل کی درخواست پر کسی قسم کی کورٹ فیس کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ نیز یہ بھی کہ آئین کی رُو سے جن بنیادی حقوق کا ذمہ مملکت نے لیا ہے ان حقوق کے پورا نہ کرنے کی صورت میں حکومت کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی اجازت ہو گی اور افرادِ مملکت کو قانون اور اس کے تضمنات سے آگاہ کرنے کے لئے مفتی متعین ہوں گے، جن سے عدالتی چارہ جوئی کے سلسلہ میں بلا معاوضہ مشورہ لیا جا سکے گا۔

عمالِ حکومت

آئین میں سروسز کے متعلق جو کچھ تجویز کیا جا رہا تھا وہ کم و بیش موجودہ قوانین و ضوابط کا چربہ تھا۔ حالانکہ یہ قوانین ایسے ناقص ہیں کہ ان کی رو سے حکومت کے ملازم اور عہدِ جاہلیت کے غلام میں کوئی فرق ہی نہیں رہتا۔ سب سے بڑا بنیادی نقص تو یہ ہے کہ سرکاری ملازم کی کہیں داد فریاد ہی نہیں ہوتی۔ اس کے استغاثہ اور اپیل کی نوبت میں فریقِ مقابل یعنی خود دفتر جج کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اس طرح جو فیصلے ہوتے ہیں ان کے متعلق کچھ کہنا بیکار ہے۔

باقی رہی (CORRUPTION) سو اس کے بند کرنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ حکومت اپنے تمام ملازمین اور ان کے متعلقین کی جملہ ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لے اور ملازمین کو ذاتی جائیداد کی قطعاً اجازت نہ ہو۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے تمام اسامیوں کا تقرر مقابلے کے امتحان سے ہونا چاہیئے اور اس میں نامزدگی کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے۔ نیز مقابلے کے امتحان کے بغیر ترقی (PROMOTION) کا سلسلہ بھی بند کر دینا چاہیئے۔ اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں۔

زبان

کسی ملت کی وحدت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی زبان بھی ایک ہو۔ ایک مملکت میں دو یا دو سے زیادہ سرکاری زبانوں کا وجود ایک مستقل افتراق کا موجب ہوتا ہے۔ لہٰذا مغربی پاکستان کی وحدت کی سرکاری زبان بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔

حرفِ آخر

یہ تھے نمایاں خط و خال اس آئین کے جو سابقہ اسمبلی کے زیرِ غور تھا۔ جیسا کہ ہم شروع میں لکھ چکے ہیں اب اس کا انحصار آپ پر ہے کہ اس خطۂ زمین میں کس نقشہ کے مطابق عمارت بنائی جاتی ہے۔ آپ کا جی چاہے تو یہاں خالص مسجد بنا دیجئے جس میں اللہ کے نام کی کبریائی گونج اٹھے۔ یعنی ایک ایسا آئین بنا دیجئے جو ان غیر متبدل اصولوں پر متفرع ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نوعِ انسانی کو اس کی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے عطا کئے ہیں اور جی چاہے تو اس میں بت کدہ تعمیر کر دیجئے جس میں ہر مقام پر انسانوں کے خود تراشیدہ بت نصب ہوں۔ یعنی ایسا آئین بنا دیجئے جس میں مختلف افراد، مختلف پارٹیوں، مختلف فرقوں اور مختلف صوبوں کے مفاد معبود بن گئے ہوں۔ اگر آپ نے پاکستان کا آئین خدا کی کھینچی ہوئی لکیروں

بین الاقوامی جائزہ

روس نے حلقہ بگوش ممالک کی کانفرنس ماسکو میں طلب تو کر لی لیکن وہ اقوام مغرب کو معاہدات پیرس کی توثیق کے عزم سے باز نہ رکھ سکا۔ اس نے فرانس کو دھمکی دی کہ توثیق کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ۱۹۴۴ء کا معاہدہ فرانس و روس منسوخ ہو جائے گا۔ برطانیہ کو اس نے متنبہ کیا کہ اس نے اپنے ہاں امریکہ کو اڈے دے رکھے ہیں اور یہ حکمت عملی برطانوی روسی معاہدہ کی خلاف ورزی کے مترادف ہے اس کے علاوہ اس نے چھ ناٹو اقوام، ہالینڈ، ڈنمارک، اٹلی، ترکی اور یونان پر الزام لگایا کہ وہ جرمنی کی اسلحہ بندی میں مدد دے رہے ہیں۔ ان دھمکیوں کا کچھ نتیجہ نہ نکلا اور توثیق کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چودہ ناٹو اقوام میں سے برطانیہ، ناروے اور آئس لینڈ معاہدات پیرس کی تصدیق کر چکے ہیں۔ اٹلی کے ایوان زیریں نے انہیں منظور کیا جا چکا ہے اور سینٹ کی منظوری یقینی ہے۔ مغربی جرمنی کی پارلیمان نے بھی معاہدات کو اصولاً تسلیم کر لیا ہے اور ڈاکٹر اڈینار کو یقین ہے کہ وہ فروری میں توثیق کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ سب سے زیادہ خطرہ فرانس سے تھا لیکن فرانس نے بھی توثیق کر دی ہے۔ گو ابھی فرانسیسی سینٹ کی کسر باقی ہے اور یہ مرحلہ بھی تاخیر کا باعث ہو سکتا ہے۔ لیکن فرانس امریکہ اور برطانیہ کے سامنے ہتھیار ڈال چکا ہے اور اب وہ مغربی جرمنی کی اسلحہ بندی کو روک نہیں سکے گا، گو وہ پوری طرح اس پر رضامند بھی نہیں۔

تشتت و افتراق

فرانس نے توثیق تو کر دی ہے لیکن اس کے دل میں جرمنی سے متعلق جو گہرے شکوک ہیں وہ اب نئی شکل میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ توثیق کی کارروائی ہو رہی تھی کہ مینڈس فرانس نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک ایسی بالائے قومی ہیئت قائم کی جائے جو مغربی یورپ کے جنگی اسلحہ کے قالب اور معیار مقرر کرے۔ فرانس میں اس تجویز کی بالعموم تائید کی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ ہر چند مغربی جرمنی کی اسلحہ بندی پر اقوام مغرب کا بالواسطہ اقتدار ہوگا لیکن فرانس کو اس سے اطمینان نہیں۔ اسے ڈر ہے کہ کہیں پھر سے جرمنی غیر معمولی اور مخفی اسلحہ تیار کر کے چوتھی بار فرانس کو روند نہ ڈالے۔ چنانچہ وہ چاہتا ہے کہ جرمنی معین نمونوں کے مطابق ہی آلات حرب تیار کر سکے تاکہ اسے فرانس پر آلاتی برتری حاصل نہ ہو سکے۔ امریکہ اس تجویز کو آسانی سے قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یورپ کی جو جنگی مدد اسے کرنا ہے وہ اپنے ہاں کے مروج آلات کے مطابق کرے گا نہ کہ فرانس کے تجویز کردہ نئے نمونوں کے مطابق۔ اس تجویز کا دوسرا مخالف مغربی جرمنی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ اس کی آزادی میں مداخلت ہے کیونکہ اس طرح فرانس اس کی اسلحہ سازی میں دخیل ہو جائے گا۔ مینڈس فرانس ان دنوں اتحادی اقوام سے مل کر اس تجویز کے حق میں فضا سازگار کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ان کی ایک اور تجویز ہے۔ اس کی علت بھی جرمن عزائم سے متعلق گہرا شک ہے۔ وہ اس کوشش میں ہیں کہ روس سے مذاکرات شروع کئے جائیں تاکہ اگر مفاہمت کی کوئی شکل بن جائے تو جرمن اسلحہ بندی کی نوعیت بدل جائے۔ ان کا خیال ہے کہ ایسی کانفرنس، جس میں روس بھی شریک ہو، مئی میں منعقد ہو جانی چاہیئے۔ لندن اور واشنگٹن میں اس تجویز سے تو کیا اختلاف کیا جائے گا، البتہ کانفرنس کی تاریخ انعقاد پر اتفاق مشکل ہے۔ ان حالات میں یہ کہنا ہنوز قبل از وقت ہے کہ فرانس کی توثیق اقوام مغرب کی فتح ہے۔ توثیق اپنی جگہ بڑی اہم ہے اور اس سے وحدت مغربی یورپ کے راستے سے ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہو گئی ہے لیکن ہنوز یہ راہ بہت دشوار گزار ہے۔ اس گہرے اور مزمن افتراق ہی کا نتیجہ ہے کہ ناٹو کونسل نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنی دفاعی انتظامات کو ایٹمی خطوط پر متشکل کرے گی۔ اس فیصلے کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اقوام مغرب ابھی تک مغربی یورپ میں وحدت کی کوئی شکل پیدا نہیں کر سکیں، دوسرے مغربی جرمنی کی اسلحہ بندی کا کوئی قابل عمل منصوبہ مترتب نہیں ہو سکا۔ اس سلسلے میں جو مساعی کی گئی ہیں وہ گذشتہ چار سال سے ناکام ثابت ہو رہی ہیں۔ تیسرے یہ کہ اگر مغربی جرمنی کو مسلح کر بھی دیا گیا تو اس سے ناٹو کی افواج میں ۱۲ ڈویژن کا اضافہ ہوگا۔ اب ان کے پاس صرف ۴۰ ڈویژن ہیں۔ اس کے مقابلہ میں روس اور اس کے حلقہ بگوش ممالک کے پاس کوئی ۲۳۵ ڈویژن ہیں، اور گو ان میں سے کئی نفری کے اعتبار سے پورے نہیں ہیں تاہم عددی برتری انہی کی ہے۔ تو گویا جرمنی کی اسلحہ بندی سے بھی مغرب و مشرق میں عسکری توازن پیدا نہیں ہوتا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اب زور ایٹمی اسلحہ پر دیا جا رہا ہے۔ اس فیصلے سے ایٹمی اسلحہ کے استعمال کا اصول تسلیم کیا گیا ہے۔ جہاں تک عملاً استعمال کا تعلق ہے اس کا فیصلہ متعلقہ حکومتیں وقت آنے پر کریں گی۔ اس اصول کا تسلیم کر لینا بھی بڑا اہم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب امریکہ اور برطانیہ ایٹمی راز اور ایٹمی مواد میں مغربی اتحادیوں کو بھی شریک کریں گے۔

بساط ایشیا

بساط ایشیا پر بھی کچھ کم اہم کھیل نہیں کھیلا جا رہا امریکی ہوابازوں کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا اور اس نے کشمکش شرق و غرب میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل، ہیمر شولڈ، چین کے وزیر اعظم، چواین لائی، سے ملاقات کر کے واپس آ گئے ہیں۔ ان کے ہمراہ پاکستان کے پروفیسر بخاری بہ حیثیت مشیر تھے۔ اسے ہندوستان نے پسند نہیں کیا چنانچہ جب ڈاگ ہیمر شولڈ چین جاتے ہوئے دہلی میں پنڈت نہرو سے ملنے کے لئے رُکے تو ان سے قدرے سرد مہری کا ثبوت دیا گیا۔ ہندوستان کی خواہش اور کوشش بھی کہ اس سفر میں بھی کوئی ہندوستانی ہی سکریٹری جنرل کے ہمراہ جاتا تاکہ ہندوستان کی چودھراہٹ قائم رہتی۔ ڈاگ ہیمر شولڈ کے چار روز کے قیام میں جو کچھ ہوا اس کی تفصیلات منظر عام پر نہیں آئیں۔ البتہ ان کے خاتمہ پر ایک اعلامیہ میں بتایا گیا کہ عالمی کشیدگی کم کرنے سے متعلق جملہ معاملات زیر بحث آئے۔ مذاکرات بڑے کارآمد ثابت ہوئے اور جو رابطہ پیدا ہو گیا ہے اسے برقرار رکھا جائے گا۔ امریکہ میں اس کا ردعمل یاس انگیز ہوا ہے اور وہاں یہ سوچا جا رہا ہے کہ اگر ہوابازوں کو رہا نہ کیا گیا تو کیا قدم اٹھایا جائے۔ ایک اقدام معاشی مقاطعہ کا ہو سکتا ہے اور دوسرا۔ خطرناک۔ اقدام ہوگا۔ ناکہ بندی کا۔ گو مشتعل امریکی رائے عامہ کا خاطر خواہ حصہ انتہائی اقدام کے لئے مصر نظر آتا ہے لیکن یہ دیکھنا ہے کہ دونوں اقدامات میں سے کسی ایک پر بھی امریکہ کے حلیف رضامند ہو سکیں گے یا نہیں۔ اس اثنا میں چین نے فارموسا کے گرد و نواح میں مختلف جزائر پر پھر حملے شروع کر دیئے ہیں۔ ان حملوں کی زد بہت حد تک امریکہ پر پڑتی ہے کیونکہ اس نے فارموسا سے معاہدہ دفاع کر لیا ہے اور اس کا فیصلہ ہے کہ وہ فارموسا کو ہر حملہ سے بچائے گا۔ امریکی لیڈر اس صورت حال کا گہرا مطالعہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ واشنگٹن سے یہ اعلان ہوا ہے کہ صدر آئزن ہاور، متعلقہ قائدین سے استصواب کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ فارموسا کے آس پاس ایک ایسا خط کھینچ دیں جس کی وہ بہرحال مدافعت کریں تاکہ چین کو اندازہ ہو جائے کہ کونسا حملہ امریکہ سے براہ راست تصادم میں منتج ہو سکتا ہے۔ امریکی کانگرس نے صدر آئزن ہاور کو یہ اختیار دیدیا ہے کہ وہ ضرورت پڑنے پر فارموسا کی مدافعت کے لئے امریکی فوجیں استعمال کریں۔ کیا یہ جنگ کا پیش خیمہ ہے؟ دیدہ باید۔ ویسے اقوام مغرب اس کوشش میں مصروف ہیں کہ اقوام متحدہ کی معرفت سرخ چین اور نیشنلسٹ چین میں التوائے جنگ ہو جائے۔ سرخ چین ابھی تک اس پر تیار نہیں ہوا۔ اور فارموسا کو چین کا اندرونی معاملہ قرار دے رہا ہے۔

واضعین آئین پاکستان کے نام

(صفحہ ۱۴ کا بقیہ)

کے مطابق بنا دیا تو اس سے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ جائے گا جو تمام نوع انسانی کے لئے ایک مثالی معاشرہ ہوگا۔ جس میں ہر فرد کی انفرادیت تکمیل پا جائے گی اور پوری ملت نوع انسانی کی امامت کا مقام حاصل کرے گی۔ اس سے آپ کا حال بھی درخشندہ اور تابناک ہو جائے گا اور مستقبل بھی خوشگوار و شاداب۔ یہ نہ صرف پاکستان کے باشندوں پر بلکہ پوری نوع انسانی پر احسان عظیم ہوگا۔ اس وقت نوع انسانی خدا کی دی ہوئی رہنمائی سے محروم ہونے کی وجہ سے جہنم میں تڑپ رہی ہے۔ اس کے سامنے نہ مغرب کی جمہوریتیں مستثنیٰ ہیں نہ روس کی اشتراکیت۔ آپ کا آئین ان دونوں متصادم گروہوں کے لئے دلیل راہ بن سکے گا۔ اگر آپ نے ضرورت سمجھی تو طلوع اسلام ان قرآنی اصولوں کو بھی آپ کے سامنے پیش کر دے گا جو ایک اسلامی مملکت کے آئین کی بنیاد بنتے ہیں۔ آئندہ اشاعت میں وہ اس قرارداد مقاصد کا مسودہ آپ کے سامنے پیش کرے گا جو اس نے دو برس پہلے قرآن کی روشنی میں مرتب کیا تھا اور جسے اس نے سابقہ مجلس آئین ساز کے پاس بھی بھیج دیا تھا۔ اور جو ادارہ کی طرف سے شائع کردہ کتاب "قرآنی دستور پاکستان" میں چھاپ دیا گیا تھا۔ اس سے آپ دیکھ سکیں گے کہ قرآن کی رو سے ایک اسلامی مملکت کے بنیادی مقاصد اور نصب العین کیا ہیں۔

خدا ہماری اور آپ کی راہ نمائی زندگی کی صحیح منزل کی طرف کرے۔

والسلام

پاکستان میں قرآنی دستور کا داعی ادارہ طلوع اسلام کراچی

ادارۂ طلوع اسلام کی مطبوعات ایک نظر میں

اسلامی نظام

دور حاضرہ کی ایک بلند پایہ کتاب جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت کے نظام اور آئین کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ وہ نظام آج کس طرح قائم ہو سکتا ہے۔ اس میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم صاحب جیراجپوری کے وہ مقالات شامل ہیں جنہوں نے قوم کے سنجیدہ طبقہ کے سامنے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ضخامت ۱۴۰ صفحات۔ مجلد مع گرد پوش۔ قیمت دو روپے۔

قرآنی دستور پاکستان

آئینی جدوجہد کے سلسلے میں ادارہ طلوع اسلام کی پیشکش قرآن کی روشنی میں سوالات قرارداد مقاصد، بنیادی اصول و حقوق جو حکومت کے اعلان کے جواب میں بھیجے گئے تھے ساتھ ہی حکومت کی جانب سے پاس کردہ قرارداد مقاصد اور بنیادی اصولوں کی پہلی رپورٹ پر قرآن کی روشنی میں تنقید۔ مولوی صاحبان کے بائیس نکات کا تجزیہ۔ اسلامی جماعت کی دستوری سفارشات پر تبصرہ۔ ضخامت ۳۰۴ صفحات۔ مجلد مع گرد پوش۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

سلیم کے نام خطوط

اسلام کے متعلق جس قدر شکوک ہمارے نوجوانوں کے دل میں پیدا ہوتے ہیں ان کا نہایت شگفتہ، شاداب اور سائنٹفک انداز میں تسکین بخش جواب محترم پرویز صاحب کے قلم سے۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر ایسی عمدگی سے بحث کی گئی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کر کے رکھ دئیے گئے ہیں جنہیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جا سکا تھا۔ ضخامت بڑے سائز کے ۲۲۵ صفحات مجلد مع گرد پوش قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے

دور حاضرہ کی ایک اہم کوشش جس میں روزمرہ زندگی کے تقریباً ساٹھ اہم مسائل و معاملات کے متعلق قرآن کی روشنی میں بحث کی گئی ہے کہ ان کی بابت قرآن کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کتاب آپ کو دوسرے سہاروں سے بے نیاز کر دیگی۔ ضخامت ۴۰۰ صفحات۔ قیمت مجلد مع گرد پوش چار روپے

ابلیس و آدم

محترم پرویز صاحب کی بلند پایہ تصنیف۔ سلسلہ معارف القرآن (قرآنی انسائیکلوپیڈیا) کی دوسری جلد جسے محترم مصنف کی نظر ثانی کے بعد ترمیمات و تبدیلیوں کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ یہ کسی مسلسل کتاب کی ایک جلد نہیں بلکہ بجائے خویش ایک مستقل تصنیف ہے۔ اس میں انسانی تخلیق (نظریہ ارتقاء) قصۂ آدم۔ ابلیس۔ شیطان۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی، اور رسالت جیسے اہم مباحث شامل ہیں۔ ایسے اہم عنوانات پر قرآن کی تعلیم اور جناب پرویز کا قلم آپ خود ہی اندازہ لگا لیجیے کہ کتاب کیا ہوگی۔ یہ کتاب بڑی تقطیع پر ۲۷۳ صفحات پر چھپی ہوئی ہے۔ قیمت مجلد مع گرد پوش صرف آٹھ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

نوادرات

علامہ حافظ محمد اسلم جیراجپوری کے نادر مضامین کا قابل قدر مجموعہ۔ ضخامت ۴۰۰ صفحات۔ قیمت صرف چار روپے

معراج انسانیت

ترجمان حقیقت جناب پرویز کا قلم۔ اور سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام خود قرآن کے آئینے میں۔ یہ اپنی قسم کی پہلی کوشش ہے اور نہایت کامیاب۔ ابتدا میں تقریباً دو سو صفحات پر دنیا کے تمام مذاہب کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر۔ پھر نادر عنوانات کے ماتحت سیرت حضور سرور کائنات جس میں دین کے نقوش کھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریب نو سو صفحات۔ کاغذ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ۔ جلد مضبوط و حسین۔ گرد پوش مرصع و دیدہ زیب۔ ٹائیٹل وضع بہار کے عنوانات منقش و رنگین۔ قیمت بیس روپے۔ (علاوہ محصول ڈاک)

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا ہے۔ مضامین کی افادیت کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو اردو لٹریچر میں بہت کم کتابیں اس پایہ کی مل سکیں گی۔ بڑا سائز۔ ضخامت تقریباً چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب۔ کاغذ سفید۔ جلد مضبوط۔ گرد پوش حسین قیمت چھ روپے — علاوہ محصول ڈاک

اسباب زوال امت

ایک انقلاب آفریں کتاب مختصر مگر ہماری ہزار سالہ تاریخ کا نچوڑ۔ جس نے قوم کے سنجیدہ تعلیم یافتہ طبقہ کے قلب و نگاہ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ زندگی میں پہلی مرتبہ صحیح طور پر بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور اس کا علاج کیا؟ ضخامت ۱۰۵ صفحات مجلد طلائی گرد پوش۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

جشن نامے

بلند حقائق کا مجموعہ اور عبرت و موعظت کا مرقع۔ ایسے ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر بیک وقت آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں آنسو آ جائیں۔ طنز اور تنقید کے ایسے گہرے نشتر اثر و درد کے ایسے خونچکاں منظر شاید ہی کہیں مل سکیں۔ یہ کتاب ہمارے سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ اور اس پر صحیح تنقید ہے۔ ضخامت ۲۵۶ صفحات قیمت مجلد مع گرد پوش دو روپے آٹھ آنے۔ (علاوہ محصول ڈاک)

مقام حدیث

حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب کے لئے مقام حدیث ملاحظہ کیجیے جس میں آپ کو احادیث کے متعلق اتنی معلومات حاصل ہوں گی جو کسی اور جگہ یکجا نہیں مل سکیں گی نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ منکر حدیث کون ہے؟ کتاب دو جلدوں میں مکمل ہوئی ہے ہر جلد کی ضخامت قریب چار سو صفحات اور قیمت فی جلد (مجلد معہ گرد پوش) چار روپے (علاوہ محصول ڈاک)

مزاج شناس رسول

پاکستان میں نظام شریعت رائج ہونا چاہیے جو قرآن اور سنت پر مبنی ہو گا لیکن..... احادیث غلط بھی ہیں اور صحیح بھی۔ یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ یہ صرف... مزاج شناس رسول بتا سکتا ہے؟ یہ مزاج شناس کون ہیں؟ اس کی تفصیل ادارہ طلوع اسلام کی اہم تالیف مزاج شناس رسول میں دیکھیے۔ ضخامت ۴۴۸ صفحات۔ مجلد معہ گرد پوش۔ قیمت چار روپے (علاوہ محصول ڈاک)

اسلامی معاشرت

مسلمان کی عادات و اخلاق کا خاکہ۔ اس کے رہنے سہنے کا ڈھنگ۔ اپنوں اور بیگانوں سے تعلقات و معاملات۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ غرضیکہ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر انداز و اسلوب قرآنی آئینہ میں کیسا ہونا چاہیئے۔ اسکول سائز ۱۹۲ صفحات۔ قیمت مجلد دو روپے (علاوہ محصول ڈاک)

پتہ:- ادارۂ طلوع اسلام پوسٹ بکس ۶۳۱۳ کراچی

حقائق و عبر

پچھلے دنوں مصر سے ایک محترم خاتون۔ مادام دوریہ شفیق۔ پاکستان تشریف لائی تھیں۔ ہمارے ہاں صورت یہ ہے کہ کوئی سیاہ فام آدمی' سر پر رومال ڈال کر اوپر سے رسی لپیٹ لے اور عربی کے چند الفاظ دہرا دے تو اسے خالص مکی و مدنی عرب سمجھ کر سر آنکھوں پر اٹھا لیا جاتا ہے اور اس کا ہر فرمودہ دین میں سند بن جاتا ہے۔ یہ محترمہ خاتون تو پھر بھی پی۔ ایچ۔ ڈی اور کئی ایک رسائل کی رئیس التحریر تھیں لہٰذا انہوں نے جو کچھ کہا اسے آیت' حدیث سمجھ لیا گیا۔ اب اُن کا ایک مضمون جریدہ ڈان (بابت ۱۵ر جنوری ۱۹۵۵ء) میں شائع ہوا ہے۔ اس میں انہوں چند ایک "قرآنی آیات" بھی پیش کی ہیں۔ انہیں ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد ہے کہ قرآن میں لکھا ہے

وَلَـهٗ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْہِ

اور اس کا ترجمہ کیا ہے — انہیں اتنا ہی ملنا چاہیے جتنا وہ دیں۔

عربی کے وہ الفاظ جو اوپر نقل کئے گئے ہیں ان کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا۔ اگر ہم "قل الذی" کو طباعت کی غلطی سمجھ کر "مِثْلُ الَّذِیْ" پڑھیں پھر بھی "وَلَہٗ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْہِ" قرآن کی آیت نہیں ہے۔ قرآن کی آیت یوں ہے۔

وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۲/۲۲۸)

حیرت ہے کہ محترمہ خاتون کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ قرآن کی آیت کیا ہے اور اس کے باوجود کہ ان کی زبان عربی ہے) وہ لہ۔ علیہ اور لھن۔ علیھن۔ کا فرق بھی نہیں جانتیں!

اور آگے بڑھئے۔ ارشاد ہے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ

جن باتوں کی اسلام میں اجازت ہے ان میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت طلاق ہے۔

افسوس ہے کہ محترمہ واپس تشریف لے گئیں ورنہ اُن سے دریافت کیا جاتا کہ اُن کے پاس وہ کونسا قرآن ہے جس میں یہ آیت لکھی ہے؟ انہیں کون بتائے کہ یہ قرآن کی آیت نہیں بلکہ ایک حدیث ہے۔

محترمہ مصر میں حقوقِ نسواں کی تحریک کی بانی اور سرگرم کارکن ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے عورتوں کے حقوق ہی پر زور دیا۔ انہوں نے تعددِ ازدواج کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ قرآن میں ہے:

اگر تم عورتوں سے عدل کر سکو تو تم دو۔ تین۔ چار بیویاں کر سکتے ہو۔ لیکن تم عدل کر ہی نہیں سکو گے خواہ تم ہزار کوشش کرو۔

قرآن کی آیت یوں نہیں ہے۔ سورۂ نساء کی ایک آیت یہ ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً ..... (۴/۳)

اور اگر تمہیں اس بات کا خدشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں اور بے شوہر کی (بیوہ) عورتوں[۱] سے انصاف نہیں کر سکو گے، تو تم ان عورتوں میں سے، جو تمہیں پسند آئیں، دو تین چار تک اپنے نکاح میں لا سکتے ہو۔ لیکن اگر تمہیں اس کا ڈر ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی (بیوی) پر اکتفا کرو)

یہ سورۂ نساء کی تیسری آیت ہے اور اس سورت کی (۱۲۹ ویں) آیت یہ ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْھَا کَالْمُعَلَّقَۃِ۔ (۴/۱۲۹)

تم اس کی استطاعت ہی نہیں رکھتے کہ تم عورتوں میں عدل کر سکو خواہ تم کتنا ہی چاہو سو ایسا نہ کرو کہ تم ایک کی طرف اتنا جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر میں لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو۔

محترمہ خاتون نے تھوڑا سا حصہ پہلی آیت کا لیا اور تھوڑا سا دوسری کا اور ان دونوں کو ملا کر ایک آیت کی حیثیت سے پیش کر دیا۔

یہ ہے ان لوگوں کا مبلغِ علم، قرآن کے متعلق جن کی بابت ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ دین کے تمام اسرار و رموز سے آگاہ ہیں، اس لئے کہ ان کی زبان عربی ہے۔ یہاں اہلِ زبان اور غیر اہلِ زبان کا کچھ فرق نہیں۔ قرآن کو وہی سمجھ سکتا ہے جو قرآن کی حقیقت سے آگاہ اور اس کی عظمت سے واقف ہو سہ

تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لَآ اِلٰہَ اِلَّا
حرفِ غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

تعددِ ازدواج کے سلسلہ میں جو دلیل عام طور پر ان حضرات کی طرف سے دی جاتی ہے، جو اس کے قائل ہیں (اور اس دلیل کو محترمہ موصوفہ نے بھی دہرایا ہے بلکہ یہ لکھا ہے کہ یہ دلیل مفتی محمد عبدہ مرحوم نے دی تھی) بڑی کمزور ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

(۱) خدا نے کہدیا کہ اگر تم عدل کر سکتے ہو تو چار تک بیویاں کرو۔

(۲) لیکن تم عدل نہیں کر سکتے خواہ کتنا چاہو لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ ایک ہی بیوی کی اجازت ہے۔

ذرا سوچئے کہ کسی قانون کی کتاب میں احکام اس طرح دیئے جایا کرتے ہیں؛ اگر فیصلہ یہ تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی بیوی ہونی چاہیئے تو اس کا صاف حکم دیا جاتا۔ اور اگر چار تک کی اجازت دی تھی تو اسے عدل کے ساتھ مشروط کر کے اس کی وضاحت کر دی جاتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں موافقین اور مخالفین دونوں کی نگاہوں سے قرآن اوجھل ہے۔ کثرتِ ازدواج کے موافقین، سورۂ نساء کی تیسری آیت میں سے (جو اوپر نقل کی گئی ہے) وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی کا ٹکڑا حذف کر دیتے ہیں اور اس کی کھلی چھٹی دیدیتے ہیں کہ جس کا جی چاہے (اور جب جی چاہے) چار چار تک بیویاں کر جائے۔ اور مخالفین اس ٹکڑے کو نظر انداز کرنے کے بعد آیت (۱۲۹) کے پہلے ٹکڑے کو آگے بڑھا دیتے ہیں اور کہدیتے ہیں کہ جب اللہ نے کہدیا کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت ہی نہ رہی! حقیقت ان دونوں سے الگ ہے۔ قرآن نے کہا ہے کہ عام حالات میں قانون یہی ہے کہ ایک آدمی کی ایک وقت میں ایک ہی بیوی ہو۔ لیکن اگر ایسے ہنگامی حالات پیدا ہو جائیں (مثلاً جنگ کی وجہ سے) کہ معاشرہ میں بے شوہر کی (بیوہ) عورتیں یا نکاح کے قابل لڑکیاں[۱] زیادہ ہو جائیں اور تمہیں یہ اجتماعی خطرہ لاحق ہو کہ ان کے حقوق پورے نہیں ہو سکیں گے تو اس ہنگامی صورت کا ایک علاج یہ ہے کہ ذی استطاعت لوگ انہیں اپنے نکاح میں لے کر اپنے خاندان کا جزو بنالیں۔ لیکن ایسا وہی کریں جو ان کے ساتھ عدل و انصاف کا سلوک کر سکیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کی رُو سے

(۱) عام قانون وحدتِ زوجی کا ہے۔

(۲) اگر کبھی ایسے ہنگامی حالات پیدا ہو جائیں کہ معاشرہ میں بے شوہر عورتوں کی تعداد بہت بڑھ جائے تو معاشرتی فساد کو روکنے کے لئے ایسی ہنگامی تدبیر اختیار کر لی جائے جس سے یہ عورتیں مختلف خاندانوں کا جزو بن جائیں۔

(۳) لیکن ایسا وہی کریں جو ان سے عدل کر سکتے ہوں۔

اب رہا یہ کہ اس سورت کی (۱۲۹ ویں) آیت میں لکھا ہے (جسے اوپر درج کیا گیا ہے) کہ تم عدل نہیں کر سکو گے، تو عدل دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو رہن سہن میں عدل کا سلوک۔ اور دوسرے قلبی میلان میں یکسانیت کا سلوک۔ سو قرآن کہتا ہے کہ یہ دوسری قسم کا عدل ممکن نہیں۔ قلبی میلان ایک نفسیاتی تقاضا ہے جس میں یکسانیت پیدا کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ اس قسم کا عدل تم سے مطلوب بھی نہیں۔ اس بارے میں صرف اتنا دیکھو کہ ایک عورت ایسی حالت میں نہ رہ جائے کہ اس کا شمار نہ شادی شدہ میں ہو اور نہ ہی بے شوہر کی عورتوں میں۔ ایسی حالت مت پیدا ہونے دو۔

یہ ہے قرآن کا بیان کردہ مسلک۔ اس میں نہ کوئی ابہام ہے نہ اشکال۔ بات بالکل صاف اور واضح ہے لیکن مشکل وہاں آکر پڑتی ہے کہ ہم پہلے سے ایک خیال دل میں لئے ہوئے قرآن کی طرف جاتے ہیں اور پھر قرآن سے اپنے اس خیال کی تائید طلب کرتے ہیں۔ اور اگر وہاں سے اسکی تائید نہیں ملتی تو اس میں کھینچ تان کرتے ہیں۔ اس سے انسان گمراہیاں خریدتا ہے ٭

۱؎ یتامیٰ کے معنی بے شوہر کی عورتیں ہیں خواہ وہ بیوہ ہوں یا شادی کے قابل ناکتخدا لڑکیاں جنہیں شوہر نہ ملتا ہو۔

نقد و نظر

HEROIC DEEDS OF MUSLIM WOMEN

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے "بہادر خواتین اسلام" کے عنوان سے ایک مختصر سا مقالہ لکھا تھا جس کا انگریزی ترجمہ ایک کتابچہ کی شکل میں "ORIENTALIA" لاہور کی طرف سے شائع ہوا ہے جو چھوٹے سائز کے تریسٹھ صفحات پر مشتمل ہے اور جس کی قیمت ڈیڑھ روپیہ ہے۔ ترجمہ سید صباح الدین عبدالرحمن ایم اے۔ شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ نے کیا ہے، جو خاصہ رواں ہے اس مقالہ میں سید صاحب نے بتایا ہے کہ قرن اول میں کس طرح مسلمان خواتین جنگ کے میدانوں میں بہادری کے جوہر دکھایا کرتی تھیں۔ اسی طرح صحابیات کے بعد مسلمان سلاطین کے مختلف زمانوں میں بھی مسلمان خواتین عملی سیاسیات میں حصہ لیا کرتی اور لڑائیوں میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ مقالہ کے آخر میں سید صاحب نے لکھا ہے کہ یہ ہے مسلمان خواتین کا ماضی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے زمانہ کی مسلمان عورتیں تاریخ میں اپنی یادگار کیا چھوڑتی ہیں۔

لیکن ایک بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک طرف تو سید صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ہماری نامور مسلم خواتین، زندگی کے عملی میدانوں میں مردوں کے دوش بدوش شریک ہوا کرتی تھیں اور دوسری طرف وہ سیرت النبی کی چھٹی جلد میں لکھتے ہیں کہ

> شریف عورت جب بضرورت گھر سے باہر نکلے تو کسی بڑی چادر یا برقع سے اپنا سارا
> جسم سر سے پاؤں تک چھپالے جس سے اس کی اصلی پوشاک اور زیب و زینت کی
> ساری چیزیں چھپ جائیں۔ اور چادر یا نقاب کا کچھ حصہ منہ پر بھی آجائے ....
> نیز عورتوں کو وسط راہ سے الگ ہوکر راستے کے کنارے سے چلنا چاہیئے۔
>
> (صفحہ ۴۳۳ — ۴۳۴)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عورتوں کے لئے حکم یہ ہے کہ جب وہ بضرورت باہر نکلیں تو اپنے آپ کو سر سے پاؤں تک چادر یا برقع میں لپیٹ لیں اور منہ کو بھی ڈھانک لیں تو پھر وہ مردوں کے ہم دوش جنگ کے میدانوں میں لڑائی کس طرح سے کرسکتی ہیں؟ برقع اور چادر کے ساتھ نہ تو لڑائی لڑی جاسکتی ہے اور نہ ہی لڑائی کی ٹریننگ حاصل کی جاسکتی ہے۔ ان خواتین میں سے جن کا ذکر سید صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے کم از کم نورجہاں کی تصویر تو ہمارے سامنے آئی ہے۔ وہ بھی میدان جنگ میں سپاہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ محلات میں ملکہ کی حیثیت سے۔ اس حیثیت میں بھی نہ وہ چادر میں لپٹی ہوئی ہے نہ برقع میں محجوب۔ معلوم نہیں کہ اس کے بعد (سید صاحب کے معیار کے مطابق) نورجہاں کا شمار بھی ان "شریف عورتوں میں" ہوگا یا نہیں برقعہ اور چادر کا ذکر سید صاحب نے سیرت النبی کی چھٹی جلد میں کیا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم عورتوں کی عریانی اور بے باکی کے حامی ہیں۔ پردہ کے متعلق ہماری قرآنی بصیرت کے نتائج طلوع اسلام کے صفحات پر کئی بار آچکے ہیں۔ ہم کہنا صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ حضرات کبھی اتنا نہیں سوچتے کہ ہم ایک جگہ کیا کہتے ہیں اور دوسری جگہ کیا۔

INIMITABILITY OF The QURAN

یہ چھوٹے سائز کے چوّن صفحات کا کتابچہ سید محمد بدرالدین علوی کا نوشتہ اور (ORIENTALIA) لاہور کا شائع کردہ ہے۔ علوی صاحب کا یہ مضمون حیدرآباد دکن کے رسالہ اسلامک کلچر کی جنوری ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا جسے اب کتابی شکل میں چھاپا گیا ہے۔

قرآن نے اپنے بے مثل اور بے نظیر ہونے کا دعویٰ بڑی شدومد سے کیا ہے، اور ساری دنیا کو چیلنج دیا ہے کہ فاتوا بسورۃ من مثلہ۔ اس کی مانند ایک سورت ہی لاکر دکھاؤ۔ یہ موضوع شروع ہی سے ہمارے مفسرین اور مصنفین کا مرکز توجہ رہا ہے۔ اور اعجاز القرآن پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ لیکن ان لکھنے والوں نے عام طور پر قرآن کی ادبی خوبیوں کو سامنے رکھا ہے اور انہیں کی بنا پر اسے بے مثل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ انداز اس مقالہ میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔ قرآن کی ادبی خوبیوں سے کسے انکار ہوسکتا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کا انداز بیان عربوں کو وجد میں لے آیا کرتا تھا۔ لیکن ہمارا زمانہ اب ان دلائل سے مطمئن نہیں ہوسکتا۔ اس کے سامنے زندگی کی کچھ مشکلات ہیں جن کے حل کرنے سے اس کا اجتماعی ذہن عاجز آچکا ہے۔ اسے تلاش ہے ایسی رہنمائی کی جو اسے اس ورطۂ حیرت سے نکال کر زندگی کی منزل مقصود تک لیجائے۔ جو رہنمائی یہی کرے وہ اس کو بے مثل و بے نظیر تسلیم کرے گا اور اس کی قیادت اور امامت قبول کرے گا۔ لہذا، قرآن کو بے مثل و بے نظیر ماننے والوں کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو بتائیں کہ قرآن نوع انسانی کی مشکلات کا حل کیا پیش کرتا ہے اور وہ حل کس طرح بے مثل و بے نظیر ہے۔ قرآن نے اپنے بے مثل ہونے کی تائید میں یہی دلیل پیش کی تھی جب کہا تھا کہ قل فاتوا بکتاب من عند اللہ ھو اھدی منھما (۲۸/۴۹) یعنی اس نے اپنے آپ کو سب سے بہتر رہنمائی دینے والا کہہ کر پیش کیا ہے۔ لہذا قرآن کا اعجاز اس کی رہنمائی میں ڈھونڈنا چاہیئے۔ اس کی دنیا کو تلاش ہے۔

CONSTITUTION OF The ARAB EMPIRE

مولوی۔ ایس۔ اے۔ کیو۔ حسینی صاحب نے۔ اس سے پہلے ایک کتاب ARAB ADMINISTRATION کے نام سے شائع کی تھی اب انہوں نے زیر نظر کتاب لکھی ہے، جس میں مسلمانوں کی سلطنت کے آئینی پہلو سے بحث کی ہے۔ بحث کا آغاز عرب جاہلیہ سے ہوتا ہے اور اس کے بعد یہ سلسلہ قرن اول کو اپنے دامن میں لیتے ہوئے بعد کے سلاطین تک چلا جاتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے کتاب قابل قدر ہے اور اس میں اچھی معلومات کو یکجا کردیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، مصنف کی نگاہ نہ صرف سطحی بلکہ اکثر مقامات پر غلط ... اور گمراہ کن بھی ہے۔ بعض مقامات تو ایسے آجاتے ہیں جہاں یہ شبہ گزرنے لگتا ہے کہ مصنف کوئی مسلمان ہے یا مسیحی مستشرق۔ مثلاً وہ وحی کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس میں رسول اللہ کے ذاتی خیالات اور خواہشات بھی مخلوط ہوجاتے تھے جس کی وجہ سے قرآنی آیات کے نزول کے وقت ان کی مزید وضاحت اور ان میں رد و بدل کی ضرورت پڑجاتی تھی۔ نیز قرآن کے اکثر احکام کو صحابہ کی درخواست پر یا ان کے تجربہ کی روشنی میں تبدیل کرنا پڑتا تھا اور قرآنی آیات کے نزول میں بھی ان کے مشوروں کو دخل ہوا کرتا تھا۔ آپ غور کیجئے کہ جو شخص قرآن کے متعلق یہ خیالات پیش کررہا ہو اس کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ اس میں شبہ نہیں کہ مصنف کے ان خیالات کی بنیاد ان روایات پر ہے جو سیوطی کی (اتقان اور درالمنثور) میں ملتی ہیں۔ لیکن مصنف جب ایک محقق کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے تو اسے چاہیئے تھا کہ وہ اس باب میں تحقیق کرتا اور وہ قرآن کو روایات کے تابع نہ رکھتا بلکہ خدا کی بات خود خدا کی کتاب سے سمجھنے کی کوشش کرتا۔ بہرحال کتاب کا جو حصہ قرآن سے متعلق ہے وہ ان (مسلم اور غیر مسلم) نوجوانوں کے لئے بڑی گمراہی کا موجب ہوگا جو قرآن کا براہ راست علم نہیں رکھتے۔

یہ کتاب بھی ORIENTALIA لاہور نے شائع کی ہے۔ جسے ہم مخلصانہ مشورہ دیں گے کہ وہ اسلام کے متعلق کتابیں شائع کرنے سے پہلے ان کا مسودہ کسی جاننے والے کو دکھا لیا کریں۔ تقطیع متوسط۔ ضخامت ایک سو ترپن (۱۵۳) صفحات۔ قیمت چھ روپے۔

تحفۂ حرم

جناب اسد ملتانی کی نظمیں اکثر طلوع اسلام کے قارئین کی نظروں سے گزرتی رہی ہیں۔ اسد صاحب گذشتہ حج کی تقریب پر مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے وہاں کے تاثرات کو مختلف نظموں میں قلم بند کرلیا۔ اب ان نظموں کا مجموعہ ادارۂ روزنامہ شمس ملتان نے تحفۂ حرم کے نام سے شائع کیا ہے۔ ضخامت بچاس صفحات۔ قیمت ایک روپیہ۔ آخر میں ایک نظم ملتانی زبان میں بھی ہے۔

اسد صاحب کی نظموں کے انداز سے قارئین طلوع اسلام اچھی طرح واقف ہیں۔ وہی انداز ان نظموں کا بھی ہے۔ اسد صاحب نظم گو ہیں، لیکن اس کے باوجود انہیں بھی "شاعری" کہیں نہ کہیں آہی پکڑتی ہے۔ مثلاً جدہ سے مکہ تک ان کا سفر آرام سے گذرا لیکن مدینہ کے سفر میں کچھ تکالیف کا سامنا ہوا تو اس سے اُن کے دل میں یہ "نکتۂ تازہ" پیدا ہوا کہ

> سہل ہے حق کی معرفت کا حصول
> مشکل اندازۂ مقام رسول

اس صغریٰ کبریٰ سے یہ نتیجہ نکالنا خالص "شاعری" ہے۔

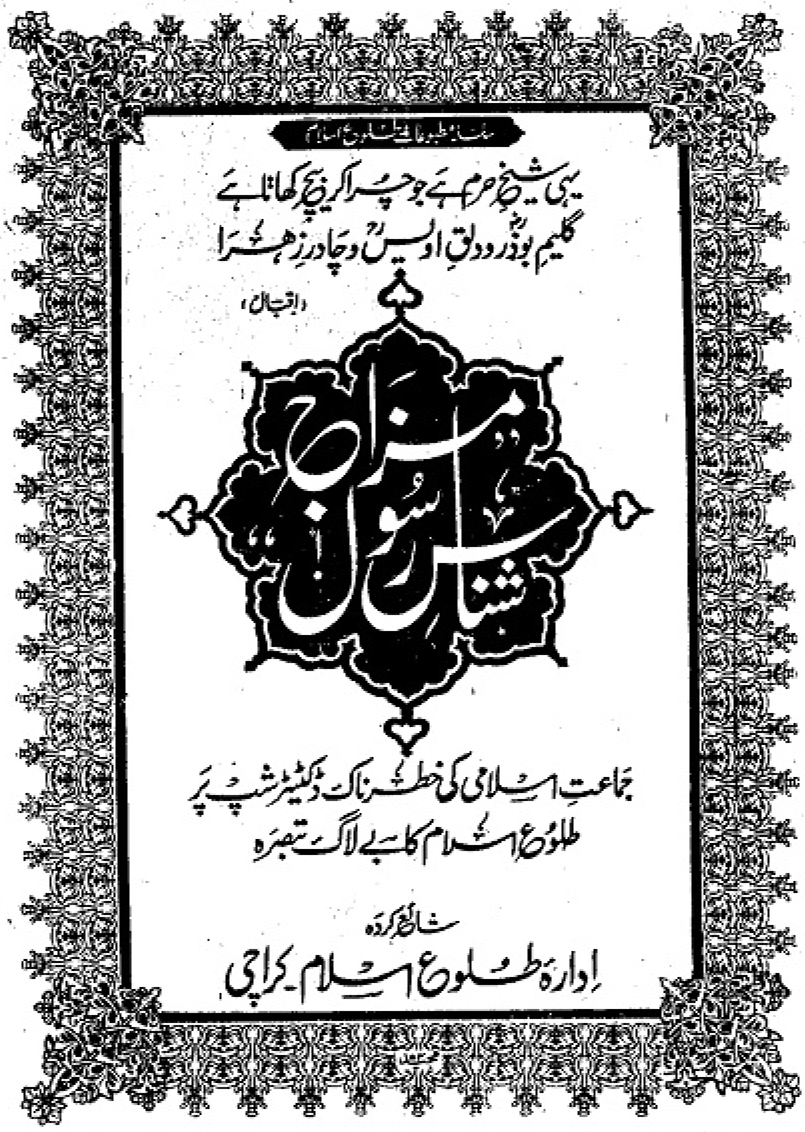

ضخامت ۴۴۸ صفحات ۔ مجلد مع گرد پوش ۔
قیمت -/۴ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ضخامت ۴۰۸ صفحات ۔ مجلد مع گرد پوش
قیمت -/۴ روپے علاوہ محصول ڈاک

قیمت -/۲ روپے

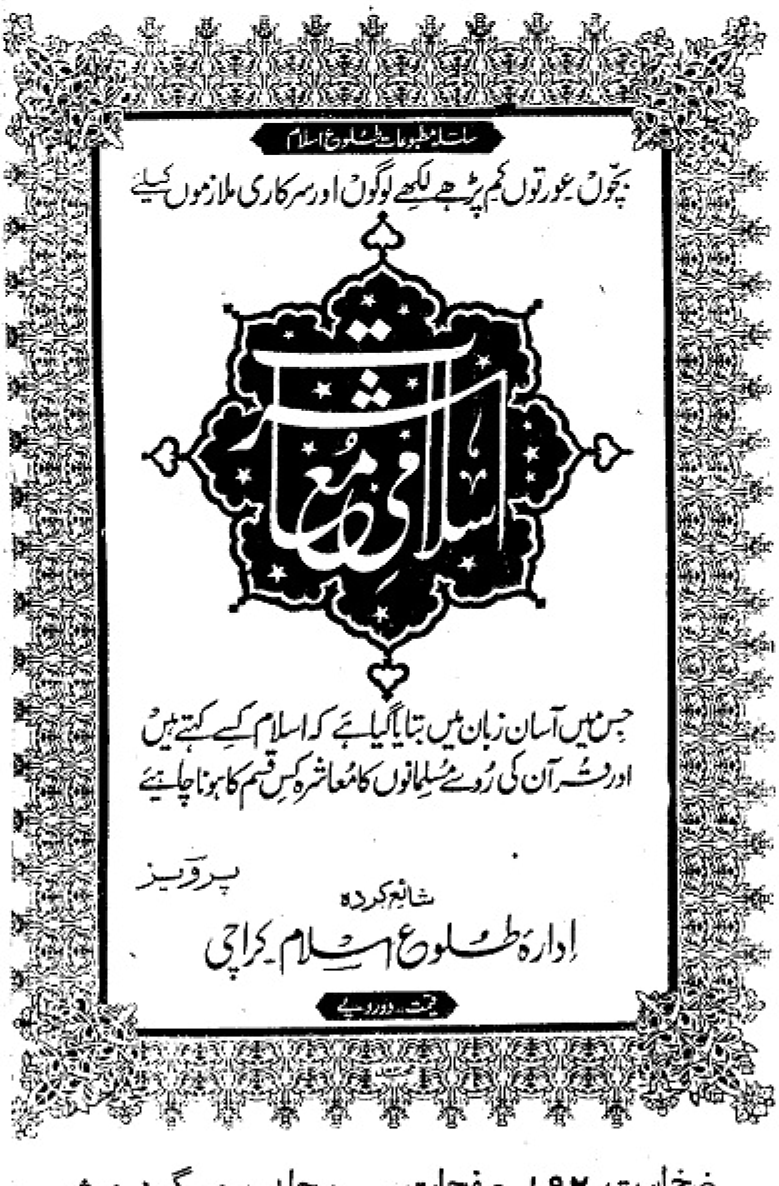

ضخامت ۱۹۲ صفحات ۔ مجلد مع گرد پوش۔
قیمت -/۲ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

قیمت -/۱/۸ روپیہ

Registered No. S. 1089

طلوع اسلام - کراچی - ۵ فروری سنہ ۱۹۵۵ء

سلسلۂ معارف القرآن

ایں کتاب از آسمانی دیگر است

ابلیس و آدم

[illegible]

انسانی تخلیق، نظریۂ ارتقا، قصۂ آدم، ابلیس، شیطان، جنات

ملائکہ اور وحی و رسالت کے متعلق تفصیلی مباحث شامل ہیں۔

ایسے اہم عنوانات، قرآنی ارشادات اور جناب پرویز کا قلم

عقل و عشق کا ایسا حسین امتزاج شاید ہی کہیں اور ملے۔

ناشر: ادارہ طلوع اسلام کراچی

ضخامت ۳۷۶ صفحات۔ مجلد معہ گرد پوش۔ قیمت -/۸ روپے علاوہ محصول ڈاک

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ ۔ کراچی۔

Only Title Printed at MUEID ART PRESS, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi-1. and Text at Adabi Press, Robson Road, Karachi, Published by Khurshid Alam from Tulu-e-Islam Office, 23/1, Fowler Lines, Napier Barracks, KARACHI. — Editor: KHURSHID ALAM.